تبدیلی پیدا کرنا آسان نہیں

دنیا کے اندر تبدیلی پیدا کرنا آسان نہیں۔تم کسی گھر کی ایک دیوار یا کھڑکی بدلنی چاہتے ہو تو اس کے لیے کیا کیا سروسامان کرنے پڑتے ہیں؟ پھر جو لوگ سطح ارضی کے بڑے بڑے رقبوں اور انسانوں کی عظیم الشان آبادیوں کے اعمال ومعتقدات کو بدل دینا چاہتے ہیں انھیں سوچنا چاہیے کہ ان کا مقصد کس درجہ مشکل اور کٹھن ہے۔

دنیا میں مادی انقلابات ہمیشہ سلطنتوں کے تغیرات اور خونریز جنگوں کے ظہور سے ہوتے رہتے ہیں،لیکن غور کرو کہ ان میں کا ہر چھوٹے سے چھوٹا انقلاب بھی کیسی گراں قدر وقیمت رکھتا ہے؟ قرنوں کے قرن فکر وتدابیر میں گزر جاتے ہیں۔خزانوں کے خزانے لٹا دیے جاتے ہیں۔کروڑوں گنیوں کے قرض لیے جاتے ہیں۔پھر فوجوں کے سمندر طوفان میں آتے ہیں۔قیمتی سے قیمتی آلات واسلحہ کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔بے شمار انسانوں کی قربانیاں تڑپتی اور خون کی ندیاں بہتی ہیں۔عورتیں بیوہ، بچے یتیم، والدین زندہ درگور ہو جاتے ہیں۔یہ سب کچھ ہو رہتا ہے، جب کہیں جا کر ایک چھوٹا سا ملکی انقلاب تکمیل کو پہنچتا ہے۔

پھر وہ بھی یقینی نہیں کہ ہزار ہا کوششیں رائیگاں اور صدیوں کی امیدیں پامال بھی ہو جاتی ہیں۔جب دنیا کے ان مادی انقلابات کا یہ حال ہے جو صرف انسانی حکومت کے تخت اور انسانی نسلوں کی آبادیوں کو متغیر کرنا چاہتے ہیں، تو پھر اس روحانی اور قلبی انقلاب کو سوچو، جو زمین کی سطح اور انسان کے جسموں کو نہیں بلکہ روحوں اور دلوں کی اقلیموں کو پلٹ دینا چاہتے ہیں اور کروڑوں انسانوں کے اعمال وخصائل کے اندر تبدیلی کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ان انقلابات کے لیے کیا محض انسانی قوت وتدبیر اور محض اخلاق ومذہب کے چند رسمی اصولوں کو پکار دینا ہی کافی ہو سکتا ہے؟ تم ایک مرتبہ خود اپنے ہی نفس کو آزما دیکھو، جس پر تمہارے ارادے کو پوری قدرت ہے۔کیا ایک چھوٹے سے چھوٹی تبدیلی بھی اپنے نفس واعمال کے اندر بہ آسانی پیدا کر سکتے ہو؟

پھر جب تم ایک نفس کی تبدیلی پر، جو خود تمہارے اختیار میں ہے، قادر نہیں تو ان کروڑوں دلوں کو کیوں کر عدل دے سکتے ہو، جن پر تمہاری نہیں، بلکہ صدیوں کے پرورش یافتہ ومحکم اعتقادات واعمال کی حکومت قاہرہ اور نفس کا تسلط جابرہ قائم ہے۔

(رسول رحمت، صفحہ ۶۰۲-۶۰۳، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ)

درس حدیث

قبروں کا احترام

محمد اظہر مدنی

عن جابر رضی اللہ عنه قال: نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر وأن يقعد عليه وأن يبنى عليه (صحيح مسلم/كتاب الجنائز/باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر بیٹھنے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ موت کے بعد اس کے سفر کی پہلی منزل قبر ہوا کرتی ہے۔ قبر کی یہ منزل ایک ایسی حقیقت ہے جس کے تصور سے انسان کا وجود کانپ اٹھتا ہے۔ اس پر خوف کے بادل منڈلانے لگتے ہیں، طرح طرح کے سوالات ذہن میں ابلنے لگتے ہیں، آخرت کو سنوارنے اور دنیا کے جنجال سے جان بچا کر خیر و بھلائی اور سرخروئی کے ساتھ نکلنے کی فکر دامن گیر ہونے لگتی ہے۔ سلف وخلف کے تعلق سے آتا ہے کہ قبر کے تصور سے ان کا رونگٹا کھڑا ہو جاتا، زار و قطار رونے لگتے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ان کے غلام ہانی کہتے ہیں کہ جب وہ قبر کے پاس ہوتے تو زار و قطار روتے، آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ ان سے کہا جاتا کہ جب جنت ودوزخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو آپ اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر پر روتے ہیں، تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر انسان اس میں نجات پا گیا تو بعد میں آنے والی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہوں گی اور اگر وہ اس میں نجات نہ پاسکا تو بعد میں آنے والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔

غرض یہ ہے کہ ایک بندہ مومن کے لئے قبر کی زندگی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اور اس میں ہونے والے سوالات اور اس میں ہونے والی آزمائشیں بھی برحق ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اس کے تئیں خصوصی تعلیمات جاری فرمائی ہیں اور قبر سے جڑے مسائل سے اپنی امت کو واقف کرایا ہے۔ چنانچہ ان کی تعلیمات سے اپنے آپ کو واقف کرانا دینی اور ایمانی فریضہ ہے۔ آج ہم قبور و قبرستان کا جب جائزہ لیتے ہیں تو تعظیم کے نام پر مختلف قسم کے خرافات دیکھنے کو ملتی ہیں۔ انہی خرافات وخدشات کے مدنظر نبی کریم ﷺ نے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا پھر موت کے تذکار کی اہمیت کے پیش نظر اس کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فانها تذكركم الآخرة کہ میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب ان کی زیارت کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ اسی طرح قبروں کی زیارت کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب قبرستان جاؤ تو یوں کہو۔ السلام عليكم اهل الديار من المومنين والمسلمين، وانا ان شاء الله للاحقون، أسال الله لنا ولكم العافية سلامتی ہو تم پر اے قبر والے مسلمانو! اور مومنو! اور ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ اور تعظیم قبر کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ قبروں کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو اور نہ اس کے اوپر بیٹھو اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قبر کی بے حرمتی کرنے والے، اس پر چلنے اور بیٹھنے والے وعید کے مستحق ہیں۔ آپ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص انگارہ پر بیٹھے اور اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کی کھال تک پہنچ جائے تو بھی بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔ قبر کا احترام ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اس کے تعلق سے بہت ساری غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اس پر عمل پیرا ہو کر قبروں کی بے حرمتی کی جاتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسے قبروں کی عمارت سازی کرنا، اس کو مزین کرنا، اس کے پاس نماز پڑھنا، اس کو سجدہ کرنا، اس کی طرف کھڑے ہو کر عبادت کرنا، نذر و نیاز کرنا، قربانی، استعانہ واستغاثہ، قبروں کے پاس اذان اور اقامت کہنا، وہاں جا کر گریہ وزاری کرنا، رونا دھونا، گریبان چاک کرنا، اپنے ہاتھوں سے اپنے رخسار کو زخمی کر کے محبت اور تعظیم کا اظہار کرنا، چالیسواں منانا، فاتحہ پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت ابوالھیاج اسدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا، میں تم لوگوں کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں جس کام کے لئے رسول اکرم ﷺ نے مجھے بھیجا تھا اور وہ یہ ہے کہ الا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته جو کوئی تصویر نظر آئے اسے مٹادو اور جو کوئی قبر اونچی نظر آئے اسے برابر کردو۔ اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ بلاشبہ خلاف شرع جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب کی سب انسان کو گمراہی کی طرف لے جانے والی ہیں۔ اس قبیح اور منکر عمل پر رسول اکرم ﷺ نے بڑا سخت ردعمل کا اظہار فرمایا اور اسے حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ من احدث فى امرنا هذا ماليس منه فهورد۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام لوگوں کو قبروں کا احترام کتاب وسنت کی روشنی میں کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے نیز تمام قسم کے بدعات وخرافات سے محفوظ رکھے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین وصلى الله على نبينا محمد

☆☆☆

اصغر علی امام مہدی سلفی

اداریہ

زحمتوں کا ازدحام ہے، رحمتوں کو آواز دو!

ان دنوں ہر سو طرح طرح کی برائیوں، زیادتیوں، ظلم وتعدی، فتنہ وفساد اور شور وشر کا دور دورہ ہے۔ روحانی امراض مختلف معاشرتی وسماجی مسائل اور اندرونی و بیرونی، ملکی و وطنی، دینی و اخلاقی، اقتصادی ومعاشی، نسلی وقومی اور جغرافیائی امراض وباء عام کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ ان روحانی مہلک بیماریوں کے شانہ بشانہ جسمانی امراض اور وباؤں کی بھی بھرمار ہوتی جارہی ہے اور نت نئی بیماریاں جسم انسانی میں سرایت کرتی جارہی ہیں۔ ایک بیماری کو سمجھنے میں سالوں لگ جاتے ہیں اور اس کے اسباب وعلاج کے کھوج لگانے اور حیطۂ تحریر میں لانے اور تقریر وتحریر اور تفتیش وتحقیق کے مراحل سے ابھی آپ گذر ہی رہے ہوتے ہیں کہ تب تک اس طرح کی دیگر بیماریاں سر اٹھانا شروع کر دیتی ہیں اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے انسانی برادری اس کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور وباء عام کی شکل میں ظاہر ہونے لگتی ہے جس کے جراثیم جسم امت وانسانیت کو کھوکھلا وفساد زدہ کر کے رکھ دیتے ہیں اور **اعیی دواء الموت کل طبیب** کہ موت کی بیماری کا علاج کرنے سے تمام اطباء عالم عاجز و درماندہ ہیں، کی طرح ان ناسوروں سے تمام عالم حیران وششدر ہے۔ اور ہلکان و پریشان ہے کہ علاج کیسے کیا جائے اور ان جان لیوا امراض سے کیسے جسم و جان کو امان ملے؟۔ مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کی کیفیت فزوں تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ جسمانی بیماری نے انسان کو اس قدر بے چین ومضطرب کر رکھا ہے کہ اسے کسی وقت اور کسی حالت میں یارائے ضبط نہیں ہے۔ اس کی ذہنی ودماغی کیفیت انتہائی مایوس کن حالات سے دوچار ہے۔ دنیا والوں کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ اس کے درد کا مداوا کرنے کا کوئی نسخہ موجود ہے۔ ایسے حالات میں صرف ایک ہی علاج تھا جو اسے ان الجھنوں اور خطرناک بیماریوں میں بھی صبر و سکون عطا کر سکتا تھا وہ پہلے سے ہی مفقود ہے۔ بلکہ ان تمام امراض کی وجہ اور اصل بھی وہی ہے۔ اور وہ ہے روح کی پاکیزگی۔ یہ صحیح ہے کہ ایک صالح اور صحتمند جسم میں ایک تندرست وتوانا عقل ودانائی اور اصلاح واچھائی پیدا ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام جو روحانیت اور ایمان کے سب سے بڑے حامل و

مدیر مسئول
اصغر علی امام مہدی سلفی
مدیر
عبدالقدوس اطہر نقوی

اس شمارے میں

درس حدیث	٢
اداریہ	٣
ماہ صفر کا آخری بدھ دلائل وحقائق اور صحیح علم کی روشنی میں	٧
نفلی نمازیں گھروں میں بھی ادا کرلیا کریں	٩
سجدہ تلاوت: احکام ومسائل	١٤
انسانیت کا تحفظ اور بقاء اور معاشرہ کی ذمہ داریاں	١٨
کاش مسلمانوں میں بھی یہ تعلیمی جذبہ پیدا ہو	٢١
قرآن حکیم کا پسندیدہ انسان	٢٥
سلفی نقطہ نظر سے مسلمانوں کی مشکلات کا جائزہ اور ان کا حل	٢٩
جماعتی خبریں	٣٠

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

بدلِ اشتراک

سالانہ	١٥٠/روپے
فی شمارہ	٧/روپے
پاکستان	٥٠٠/روپے

بلاد عربیہ ودیگر ممالک سے ٣٥ ڈالر یا اس کے مساوی

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

اہل حدیث منزل ٤١١٦، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ١١٠٠٠٦
ویب سائٹ www.ahlehadees.org
ترجمان ای میل jaridahtarjuman@gmail.com
جمعیت ای میل jamiatahlehadeeshind@hotmail.com

کامل تھے وہ جسمانی طور پر بھی تندرست وتوانا ہوا کرتے تھے۔کسی نبی یا رسول کے بارے میں یہ نہ سنا گیا کہ وہ کسی مہلک اور بری بیماری میں مبتلا تھے۔اس کی وجہ جہاں انسانی وایمانی اور روحانی قوت وصفائی اور نظافت ہوتی تھی وہیں ان کی ظاہری نظافت ولطافت اور نفاست وصحت بھی ان کی پاکیزہ اور مقدس روح کو مزید مجلیٰ ومصفیٰ اور معلیٰ کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوتی تھی۔گویا کہ ان کاملین وحاملین امانت عظمیٰ کو ہمہ جہت تیار کیا جا رہا تھا۔جسمانی طور پر بھی اور ماحول ومعاشرہ اور آب وہوا،صفائی وستھرائی بھی مہیا کی جا رہی تھی جس میں ایک کامل انسان بننے،ان امانتوں کو اٹھانے اور اسے پہنچانے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔جسے آسمانوں،زمینوں اور پہاڑوں کو بھی پیش کیا گیا تھا مگر اسے پہچاننا تو دور کی بات ہے سرے سے اس بار امانت کو لینے سے ہی انکار کر دیا تھا۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا"(الاحزاب:۷۲)"ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے(مگر)انسان نے اسے اٹھا لیا،وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسمانی وروحانی دونوں حیثیتوں سے انسان کا امراض سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے۔خصوصا دین ودنیا میں امن وچین،سکون واطمینان اور فوز وفلاح کے لیے صحت ایمانی وروحانی از حد ضروری،بلکہ اساس اول ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایک انسان جسمانی اعتبار سے تندرست نہ ہو مگر اس کی روحانی پاکیزگی اسے دنیا وآخرت دونوں میں سرخرو کر سکتی ہے۔بظاہر دنیا میں چین انہیں نصیب نہ ہوا ہو،مادیت زدہ آنکھوں نے اسے فوز وفلاح سے ہمکنار ہوتے نہ دیکھا ہو،اس کی محدود مادی ذہنیت اسے پرسکون زندگی وکامیاب زندگی ماننے کے لیے تیار نہ ہو مگر سعید روحوں،خوش بخت انسانوں،خلق خدا اور خود خالق کون ومکاں کے یہاں وہ قابل تقلید اور باعث صد اتباع اور لائق وبہترین نمونہ برائے خلقت باری تعالیٰ اسی لیے بنے کہ ان کو بے انتہاء مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑا،بے پناہ آزمائشوں سے گذرنا پڑا اور سر کی مانگ پر آرا رکھ کر پیر تک چیر دیا گیا۔نتیجۃً ان کو سب سے بڑا انعام یافتہ قرار دینے کے ساتھ ساری انسانیت کو ان کے نقش قدم پر چلتے رہنے اور اسی پر گامزن رہنے کی دعا والتجاء کرتے رہنے کی تلقین وتاکید کی گئی۔"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (الفاتحہ:۵-۶) "ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا"۔اس لافانی وبے مثال نعمت کو مانگتے رہنے کی تکرار وبار بار تاکید کی گئی۔اور یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو دنیا وآخرت کی ساری نعمتوں کا ذریعہ،پیش خیمہ اور اصل ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اصحاب زیغ وضلال اور فتنہ وفساد کی راہ بد بختانہ اور **مغضوب علیھم** کا شاخسانہ ہے۔جس سے بچنے کی بار بار ہزار بار تاکید کی گئی۔

مختصر یہ کہ دنیا وآخرت کی زحمتوں اور جھمیلوں سے نجات کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے روحانیت کا راستہ جس کے آخری علمبردار اور پیغامبر،خاتم النبیین محمد بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔جنہوں نے اپنی ربانی اور الٰہی تعلیمات اور اخلاق حسنہ کے ذریعہ سے اللہ کی اس زمین کو ہر طرح کے امراض سے چھٹکارا دلایا تھا اور اقوام عالم نے جو سلاسل واغلال اور مصائب ووبال اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا اس سے نجات دلا دی۔اور رہتی دنیا تک اس نسخہ کیمیا،دوا وتریاق،آب حیات انسانی اور امرت دھارا کو محفوظ ومعین فرما دیا تھا۔اب دنیا کے تمام امراض کا علاج اسی میں مضمر ہے۔ **ودونہ خرط القتاد**

اس وقت ساری دنیا بہ ہمہ دعوائے تعمیر وترقی اور بسیار وبے شمار حصولیابیوں اور کامیابیوں کے انتہائی پستی ولاچاری وبربادی کی شکار ہے۔اور تاریخ کے سب سے بُرے دور سے گذر رہی ہے۔انسانیت بظاہر ترقی کے بام عروج پر ہے مگر پستی کی انتہا کو جا رہی ہے۔بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ نزع کے عالم میں ہے اور متاع غرور کا سودا کر کے غبن اور خسارہ کی تجارت کر رہی ہے اور زہر ہلاہل کو قند وکیسر سمجھ کر نگلتی جا رہی ہے۔اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس نے ان تمام جراثیم اور بیماریوں کو ہی دوا سمجھ لیا ہے۔جس سے اور زیادہ امراض کی آماجگاہ بنتی جا رہی ہے۔اس میں قصور کس کا ہے اور اس کا مجرم کون ہے؟ دھوکہ کون دے رہا ہے اور مارکیٹ میں ان ہلاکت خیز ومہلک دواؤں کو کون لانے والا ہے اور پھیلانے اور اس کو لبرٹی میں جانچ پڑتال کر کے مانوتا کے لیے لابھ دایک اور انسانیت کے لیے مفید بنانے کا کام کس کا ہے۔؟؟؟

اگر بات صاف صاف،دوٹوک اور بلا لاگ ولپیٹ کے کی جائے تو برملا اعتراف جرم وتقصیر کے ساتھ کہہ دینا چاہئے کہ اس کے مجرم صرف اور صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے انسانیت نواز دواؤں پر قابض ہو کر خود بھی اس سے استفادہ نہ کیا اور نہ ہی جن کی یہ امانت تھی اور جن کے علاج ومعالجہ اور صلاح وشفا کے لیے یہ آئے تھے ان کو اس سے روشناس کرایا۔حالانکہ ان کو مکلّف کیا گیا

تھا کہ تمام اقوام عالم کے ہر فرد اور کچے پکے ہر گھر میں پہنچ کر بصد محبت ولطف و کرم سونپ کر آئیں گے اور قوم نے جسے کڑوا گھونٹ اور زہر کا پیالہ سمجھ رکھا ہے اسے شربت اکسیر باور کرا کر انہیں سیراب وفیضیاب کریں گے۔ جیسا کہ ان کے مقتدیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت اولیٰ کے مارے ہوؤں کو پلا کر خیرامت اور وسط امت بنا دیا تھا اور انسانیت کے ارفع واعلیٰ مقام پر فائز کر دیا تھا کیونکہ وہ بذات خود ”وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ“ (سورہ الم نشرح:۴)”اور ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا“ اور ”وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ“(القلم:۴)”اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے“ کے مقام محمود ومرغوب اور سطح مرتفع پر فائز ہو چکے تھے۔ اور اس سلسلے میں عدوئے لدود اور دشمن جانی کو بھی ایک جرعۂ ایمانی ودوائے روحانی پلانے کے لیے اس قدر بے چین اور بے تاب ہوئے کہ ان کے حلقوم تک یہ شربت روح افزا پہنچانے کے باوجود اگر وہ اگل دیتے تو آپ مارے غم کے اپنے گلے کو دبا لینے کے لیے بے چین ہو جاتے۔ یہ تھی حرص اور یہ تھی اپنے پیغام سے محبت، انسانیت سے ہمدردی اور دشمنوں کی فکر۔ حالانکہ ان مشرکین کا ہر وہ قدم جو اٹھتا تھا وہ انسانیت کے لیے فساد وشر کا ہوتا تھا۔ ہمارے زمانہ کے بھٹکے ہوئے انسانوں جیسا ہرگز نہ تھا جنہوں نے ہر گام اور ہر آن اپنی نت نئی کاوشوں، جانفشانیوں اور فکر مندیوں سے انسانیت کو فائدہ پہنچاتے رہنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے، اپنی ہستی مٹا دی ہے اور دنیا کو اپنی دانست کی حد تک بام عروج تک پہنچانے میں اور اسے ہمدوش ثریا کرنے میں کوئی کسر دامے درمے قدمے سخنے بلکہ جانے نہیں چھوڑی ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ موجودہ دنیا اپنے انہماک اور متاع غرور کے سودے میں غرق ہو کر رہ گئی ہے۔ معاً خیال آتا ہے کہ وہ اپنی لگن، انسانی خدمت اور فدا کاری واخلاص اور خلق خدا کو مستفید کرنے کی وجہ سے معذور ماجور قرار دی جائے گی اور وہ لوگ جن کو ان کی نجات کا سامان عطا کیا گیا تھا وہ اس امانت کو غاصبانہ ومجرمانہ طور پر اپنے قبضۂ استبداد میں رکھنے کی وجہ سے مجرمین کے کٹہرے میں کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ **اللھم نعوذبک من الحور بعد الکور**

کیونکہ زحمتوں اور مصیبتوں کے انبار وازدحام میں رحمتوں کا خزینہ ہم کو لٹانا تھا اور ”وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ“ (الانبیاء:۱۰۷)”اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے“ کا مژدہ جانفزا ہم لے آئے تھے اور انتہا کو پہنچی ہوئی اخلاقی گراوٹ کے ماحول میں تہذیب واخلاق کا اعلیٰ معیار ”وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ“(القلم:۴)”اور بے شک تو بہت بڑے (عمدہ) اخلاق پر ہے“ ہمارے پاس تھا، لیکن ہم نے اس کا عملی مظاہرہ نہیں کیا۔ مختلف قسم کے بندھنوں اور بیڑیوں میں الجھی ہوئی اور بوجھوں تلے دبی ہوئی انسانیت کی نجات کا کام ہم کو سونپا گیا تھا کہ ”وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ“(الاعراف:۱۵۷)” اور ان لوگوں پر جو رسم ورواج اور جاہلیت کے بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں“۔ نفرت و عداوت اور رنگ ونسل کی تفریق مٹانے اور الفت ومحبت اور اخوت انسانی کی سوغات بانٹنے کی ذمہ داری ہم پر عائد کی گئی تھی۔ ”اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ“ (الحجرات:۱۰)”سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو“ اور ”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ“(الحجرات:۱۳)”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دئے ہیں اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے“ اور ”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً، وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ. اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا“ (النساء:۱)”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔

اور ” **یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان أباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی أعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا أسود علی أحمر الا بالتقویٰ**“ (مسند احمد)”اے لوگو! جان لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ ایک ہیں اس لیے کسی عربی کو عجمی کے اوپر فوقیت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی کے اوپر فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی کسی گورے کو کسی کالے پر برتری حاصل ہے اور نہ ہی کسی کالے کو کسی گورے پر برتری حاصل ہے سوائے تقویٰ کے“۔ لیکن ہم نے ان تمام انسانیت نواز تعلیمات کو فراموش کر دیا اور اپنے منصب کو بھلا دیا۔ نتیجہ ظلم واستبداد میں

پھنسے ہوئے مظلوموں کی کراہ کی دادرسی ہمارا امتیاز بتایا تھا کہ ''انی بعثت بالحنیفیة السمحة'' (دیلمی) ''میں فطرت انسانی کے موافق ملت لے کر مبعوث ہوا ہوں'' اور ''قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُم، وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْن'' (یوسف:٩٢) ''کہا، آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تمہیں بخشے وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے'' اور شرک و بدعت اور غلط رسوم ورواج کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہماری ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ روشنی کا سامان کریں۔ ''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ'' ۔ (البقرہ:٢٥٧) ''ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے۔ وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے''۔

محروم طبقات کی آواز ہم کو بتایا گیا تھا بقول خلیفہ ثانی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ: ''متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا'' (کنزالعمال) ''کہ تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے جبکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا''۔ اور اس سے بڑی بات یہ کہ ہمارا نصب العین ہی یہی قرار دیا گیا تھا کہ بقول ربعی بن عامر ''ان الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام'' ۔ ''اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس لیے مبعوث کیا ہے کہ ہم لوگوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی بندگی سے لگائیں اور دنیا کی تنگیوں سے چھٹکارا دے کر اللہ کی وسیع دنیا سے آشنا کرائیں اور ادیان کی ناانصافیوں سے نجات دلا کر اسلام کی شاہ راہ عدل پر گامزن کردیں''۔

اب بایں ہمہ اقوام عالم نے ہمیں ہر طرح کے دنیوی فائدہ پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور سمندر کی تہوں سے لے کر فضاؤں اور کہکشاؤں، سورج اور اس کی شعاعوں، آسمان اور اس کے خلاؤں میں پہنچ کر اور اپنی جان جوکھم میں ڈال کر وہ سب کچھ کیا اور نفع پہنچایا جو دراصل ہمارا کام تھا اور ہمیں '' خیر الناس من ینفع الناس'' (کنزالعمال) ''بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے'' کے نسخہ کیمیا کے ذریعہ شریعت اسلامیہ اور دین وایمان کی روشنی میں سب کو ابدی وسرمدی اور اخروی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز کرنا تھا اس میں سے ہم کچھ بھی نہ کرسکے، خسر الدنیا والآخرة کے مصداق ہونے سے سارے عالم انسانیت اور اللہ کی تمام مخلوقات خسران عظیم اور نقصان عمیم کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے اور بجا طور پر دنیا ہم سے استفہام واستفسار اور حیرت واستعجاب کرنے میں حق بجانب ہے۔ ''هل جزاء الاحسان الا الاحسان''؟

افسوس ہے کہ زحمتوں کو پیدا کرنے والی قومیں، ظلم وجور کو روا رکھنے والے لوگ، کرپشن، ملاوٹ، استحصال، ناانصافی، بدکاری، شراب نوشی اور سماجی برائیوں اور ذات پات اور رنگ ونسل کی تفریق کو ہوا دینے والے عناصر، بدامنی و بے چینی پیدا کرنے والے گروہ اپنے معیار خیر وشر کے مطابق انسانیت کی بھلائی کی باتیں ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ عملی اقدام میں بھی پیچھے نہیں ہیں۔ لیکن وہ امت جو سراپا خیر وسعادت تھی، اپنوں کے لیے بھی اور غیروں کے لیے بھی، گوروں کے لیے بھی اور کالوں کے لیے بھی، عربوں کے لیے بھی اور عجمیوں کے لیے بھی، بلکہ پوری انسانیت کی صلاح وفلاح جس کا نصب العین اور طرہ امتیاز تھا وہ خواب غفلت میں پڑی ہوئی ہے۔ اور جن کو دل وجسم اور اندرون وبیرون کے مریضوں کی مسیحائی اور گردوپیش کی صفائی کرنی تھی وہ پردے سے یکسر غائب ہوگئی ہے۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
وہ دکان اپنی بڑھا گئے

ایسے میں عام تباہی وہلاکت اور ذلت وخواری کے مہیب بادل نہیں چھائیں گے؟۔ جان لیجئے یہ قدرت کا قانون ہے۔ ''وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ'' (ھود:١١٧) ''آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلم سے ہلاک کردے اور وہاں کے لوگ نیکوکار ہوں''۔

آج امت کے علماء وعوام کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے۔ زحمتوں کے بازار میں سامان رحمت بہم پہنچانے کی ضرورت ہے۔ فساد وبگاڑ کے صنم کدوں میں امن وانسانیت کی اذان دینے کی ضرورت ہے اور نفرت وعداوت کے کڑوے ماحول میں الفت ومحبت اور یکجہتی و بھائی چارہ کا رس گھولنے کی ضرورت ہے۔ اسی میں امت کی خیریت وسعادت اور بھلائی کا راز مضمر ہے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم شر وفساد، ظلم وعدوان، تمرد وطغیان، حق تلفی وناانصافی، ہر طرح کی سماجی برائیوں اور زحمتوں اور رکاوٹوں کو مٹائیں گے، الفت ومحبت کی راہ میں حائل سنگ ہائے گراں بار کو ہٹائیں گے اور خشک وتر، شہر وقریہ اور ہر وہ جگہ جہاں انسان بستے ہوں وہاں رحمت وسعادت، امن وانسانیت کا پرچم لہرائیں گے اور رحم وکرم کی برکھا برسائیں گے۔

☆☆☆

مولانا فضل الرحمٰن بن دین محمد

ماہ صفر کا آخری بدھ
دلائل وحقائق اور صحیح علم کی روشنی میں

آخری بدھ کی تاریخی حقیقت: الحمد لله الذی خلق الانسان وعلمه البیان و لم یترکه سدی کالحیوان بل بعث الیهم رسولا لتعلیم الحدیث والقرآن فمن عمل بهما دخل الجنان ومن اعرض عنهما دخل فی النیران والصلوة والسلام علی سید الانبیاء صاحب الحق والبرهان وعلی ازواجه و ذریاته واصحابه الی یوم الیمیزان۔

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے حضرتِ انسان کی تخلیق کی اور اسے بولنا، پڑھنا، لکھنا سکھایا۔ اسے حیران وپریشان رہنے کے لیے نہیں چھوڑا، بلکہ نوع انسان کی طرف قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پس جو کوئی ان دونوں پر عمل کرے گا جنت میں داخل ہوجائے گا، اور جو ان سے اعراض کرے گا جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔ صاحب الحق والبرہان سید الانبیا ﷺ، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر درود وسلام ہو''۔

عام تصور: ماہ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں عام تصور پایا جاتا ہے کہ اس روز امام الانبیاء مصطفیٰ ومجتبیٰ رحمۃ للعالمین خاتم النبیین نبی توبہ نبی رحمت بشیر نذیر سراج منیر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماری سے شفا پائی اور آپ نے غسل صحت فرمایا۔

آپ سے اپنی انتہائی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اسی بنا پر صفر کے ہر آخری چہار شنبہ کو بہت سے مسلمان باغات میں جاکر چہل قدمی کرنے کو سنت سمجھتے ہیں اور آپ کی صحت یابی کی خوشی میں جلوس نکالتے ہیں، بعض تجارتی مراکز میں تعطیل بھی ہوجاتی ہے۔

تحقیق: محمد رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ آپ کی زندگی مبارک کا جلوت وخلوت میں گذرنے والا لمحہ آپ کی حیات طیبہ میں ہی سینوں کے بعد کاغذ کے سفینوں میں محفوظ کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ آخری بدھ کی حقیقت کی وضاحت کے لیے گیارہ کتب سیر، تواریخ اور اسماء الرجال کے حوالے قارئین کرام کے استفادہ کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) بدأ برسول الله ﷺ (وجعه) مرضه الذی مات منه یوم الاربعاء لیلتین بقیتا من صفر سنة احدیٰ عشرة فی بیت میمونة ثم انتقل حین اشتد مرضه الی بیت عائشة وقبض یوم الاثنین ضحی فی الوقت الذی دخل فیه المدینة لا ثنتی عشرة خلت من ربیع الاول''
(اسد الغابة: ج ۱، ص ٤١)

رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری کا آغاز جس میں آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے، گیارہ ہجری میں صفر کے مہینے کی جب دو راتیں باقی رہ گئی تھیں، بدھ کے روز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔ جب آپ کی بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہوگئے۔ بارہ ربیع الاول پیر کے دن، ضحیٰ کے وقت جس میں آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے۔ آپ کی روح اقدس کو قبض کرلیا گیا۔

۲- اسد الغابہ کی مذکورہ عبارت بعینہٖ ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۰ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

۳- ابتدأ برسول الله ﷺ مرضه اواخر صفر (تاریخ الکامل، ج۲، ص۲۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری کا آغاز صفر کے آخر میں ہوا۔

۴- ابتدیء رسول الله صلی الله علیه وسلم بشکوه الذی قبضه الله فیه الی ما اراده الله من رحمته و کرامته فی لیال بقین من صفر او فی اول شهر ربیع الاول''(البدایۃ والنھایۃ: ج۵، ص۲۲۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری کا آغاز جس میں اللہ نے ان کی روح مبارک کو قبض فرمایا تاکہ ان کو اپنی رحمت وکرامت سے نوازے۔ صفر کی چند راتیں باقی رہ گئی تھیں۔ یا ربیع الاول کی ابتدا میں ہوا۔

سیرت کی اس کتاب میں باب باندھا گیا ہے۔

۵- ابتدأ شکوی رسول الله صلی الله علیه وسلم بشکواه الذی قبضه الله فیه الی ما اراده الله من رحمته و کرامته فی لیال بقین من صفر او فی اول شهر ربیع الاول''(سیرت ابن ہشام: ج۵، ص۲۲۴)

رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی ابتداء کا باب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری کا آغاز جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی روح اقدس کو قبض فرمایا تاکہ ان کو اپنی رحمت وکرامت سے نوازے، صفر کی چند راتیں باقی رہ گئیں۔ یا ربیع الاول کی ابتداء

ہو چکی تھی۔اس وقت ہوا۔

٦-بدأه الوجع لليلتين بقيتا من صفر و تمادى به وجعه (تاریخ ابن خلدون، ج۲،ص۶۱)

صفر کی دوراتیں باقی رہ گئی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہوئی، پھر آپ بیمار ہی رہے۔

٧-'' بدیء برسول الله صلى الله عليه وسلم وجعه لليلتين بقيتا من صفر'' (تاریخ طبری: ج۲،ص۱۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز اس وقت ہوا جب صفر کی دوراتیں باقی رہ گئی تھیں۔

تاریخ خمیس میں ہے:

٨- ابتدأ مرضه و كيفيته

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء اور کیفیت۔پھر نقل کیا گیا ہے۔

"ابتدأ به صداع فی اواخر صفر لليلتين بقيتا منه يوم الاربعاء فی بيت ميمونة'' (تاریخ خمیس: ج۲،ص۱۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء بدھ کے روز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں صفر کے آخر میں ہوئی۔

٩-''وقد بدأه عليه السلام مرضه فی أواخر صفر من السنة الحادى العشرة من الهجرة فی بيت ميمونة واستمر مريضا ثلثة عشر يوما'' (نور اليقين فی سيرة سيد المرسلين: ص۲۸۳)

رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا آغاز گیارہ ہجری میں صفر کے آخر میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔پھر آپ تیرہ دن بیمار رہے۔

١٠-حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۹/صفر ۱۱ھ، یوم بدھ بیمار ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ آپ نے وفات پائی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی تاریخ وفات پر اتفاق منقول ہے۔(طبقات ابن سعد (اردو) ج۲،ص۳۷۷)

١١-حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب ''باب مرض النبی صلى الله عليه وسلم ووفاته'' کی شرح میں نقل کیا ہے کہ بیماری کا آغاز صفر کے آخر میں ہوا۔(فتح الباری: ج۸،ص۱۲۴)

نتیجہ: محدثین اور مؤرخین اور اصحاب سیر کی اصح روایات کے مطابق آپ ﷺ ۱۳ روز بیمار رہے۔

آخر میں نتیجہ تحقیق جناب (اعلیٰ حضرت) احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے جو کہ فتویٰ کی صورت میں مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی کی شائع کردہ کتاب ''احکام شریعت مکمل'' میں موجود ہے۔

مسئلہ ۹۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے اخیر کے چہارشنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی، بنابریں اس کے اس روز کھانا و شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں۔علی ہذا القیاس۔مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں۔کہیں اس روز کو نحس و مبارک جان کر گھر کے پرانے برتن گلی توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ و چھلہ چاندی کے اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدل میں لائے جاتے ہیں۔لہذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں اور فاعل عامل کا بر بنائے ثبوت یا عدم مرتکب معصیت ہوگا یا قابل ملامت و تادیب ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب: آخری بدھ کی کوئی اصل نہیں۔نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے۔''آخر اربعا من الشهر نحس مستمر'' اور مروی ہوا۔ابتدائے ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم اسی دن تھی اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ و اضاعت مال ہے۔بہرحال یہ سب باتیں بے اصل و بے معنیٰ ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

مذکورہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے، جو ہم کر رہے ہیں کیا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس سے اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:''وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا'' (سورۃ النساء:۱۱۵)

ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جو کوئی رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے گا، ہم اسے اس طرف لگا دیں گے، پھر اسے جہنم میں داخل کر دیں گے اور جہنم برا ٹھکانا ہے۔

ہماری اسی میں عافیت ہے کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی راہ پر گامزن رہیں، کیونکہ ان سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا کوئی نہ تھا۔جو ہم کر رہے ہیں اگر انہوں نے بھی ایسا کیا تو پھر معاملہ ٹھیک ہے۔اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر ہم ان کی راہ سے ہٹ رہے ہیں، جس کا نتیجہ لازمی طور پر ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

ڈاکٹر امان اللہ محمد اسماعیل مدنی
مدرس مسجد نبوی شریف

نفلی نمازیں گھروں میں بھی ادا کرلیا کریں

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد:

اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو ہمہ وقت اپنی عبادت وبندگی کا حکم دیا ہے، تاکہ بندے کا رب العزت سے ہر پل تعلق استوار رہے۔

عبادتیں دو قسم کی ہیں، کچھ عبادتیں اجتماعی ہیں اور کچھ انفرادی، اجتماعی عبادتیں اجتماعیت کے ساتھ اور انفرادی عبادتیں انفرادیت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

نماز ایک مہتم بالشان عبادت ہے، اکثر عبادتوں کی طرح کچھ نمازیں فرض ہیں تو کچھ سنن ونوافل، صحیح قول کے مطابق فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا فرض ہے، لیکن سنن ورواتب جو غالبًا انفرادی عبادت ہیں اکیلے اور تنہائی میں مسجد اور گھر دونوں جگہ ادا کی جاسکتی ہیں۔

تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ دیگر عبادتوں کی ادائیگی کی طرح نماز کی ادائیگی میں بھی سنتِ رسول کو اپناتے ہوئے اسی طرح ادا کریں جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کے سلسلے خصوصی فرمان ہے:"وَصَلُّوا كَمَا رَأَيتُمُونِي أُصَلِّي" [صحیح بخاری حدیث: ۶۳۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت رہی ہے کہ آپ فرض نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے تھے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غالبا تمام سُننِ رواتب وغیر رواتب گھر ہی میں ادا کیا کرتے تھے۔

مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نمازیں گھروں میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »اجعَلُوا فِي بُيُوتِكُم مِن صَلاتِكُم وَلا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا« [صحیح بخاری حدیث: ۴۲۳]۔

ترجمہ: کچھ نمازیں گھروں میں پڑھا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر فرض نمازیں گھر میں ادا کرنے کو افضل قرار دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »قَد عَرَفتُ الَّذِي رَأَيتُ مِن صَنِيعِكُم، فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُم، فَإِنَّ أَفضَلَ الصَّلاةِ صَلاةُ المَرءِ فِي بَيتِهِ إِلَّا المَكتُوبَةَ« [صحیح بخاری حدیث: ۷۳۱]۔

ترجمہ: تمہاری تمام کارکردگیوں سے میں واقف ہوں، لوگو! [سنت نمازیں] گھروں میں ادا کیا کرو، کیونکہ فرض نمازوں کے علاوہ دیگر نمازیں گھر میں ادا کرنا ہی افضل ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت نمازیں گھروں میں ادا کرنے کو مسجد نبوی میں ادا کرنے سے افضل قرار دیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا، إلا المكتوبة« [سنن ابی داود حدیث: ۱۰۴۴، شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے]۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں: عَن جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: إِذَا قَضَى أَحَدُكُمُ الصَّلاةَ فِي مَسجِدِهِ، فَليَجعَل لِبَيتِهِ نَصِيبًا مِن صَلاتِهِ، فَإِنَّ اللهَ جَاعِلٌ فِي بَيتِهِ مِن صَلاتِهِ خَيرًا « [صحیح مسلم حدیث: ۷۷۸]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز سے فارغ ہوجائے تو اسے چاہئے کہ گھر میں بھی کچھ نماز ادا کرے، کیونکہ گھر میں نماز پڑھنے کے سبب اللہ تعالی اس کے گھر میں خیر وبھلائی کا معاملہ فرماتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام قولی صحیح احادیث کے علاوہ آپ کا فعل بھی یہی رہا ہے کہ آپ استمرار کے ساتھ سنن ونوافل غالبًا گھر میں ہی ادا کیا کرتے تھے، عَن عَبدِ اللهِ بنِ شَقِيقٍ، قَالَ: سَأَلتُ عَائِشَةَ عَن صَلاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، عَن تَطَوُّعِهِ؟ فَقَالَت: كَانَ يُصَلِّي فِي بَيتِي قَبلَ الظُّهرِ أَربَعًا، ثُمَّ يَخرُجُ فَيُصَلِّي بِالنَّاسِ، ثُمَّ يَدخُلُ فَيُصَلِّي رَكعَتَينِ، وَكَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ المَغرِبَ، ثُمَّ يَدخُلُ فَيُصَلِّي رَكعَتَينِ، وَيُصَلِّي بِالنَّاسِ العِشَاءَ، وَيَدخُلُ بَيتِي فَيُصَلِّي رَكعَتَينِ، وَكَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيلِ تِسعَ رَكَعَاتٍ فِيهِنَّ الوِترُ، وَكَانَ يُصَلِّي لَيلًا طَوِيلًا قَائِمًا، وَلَيلًا طَوِيلًا قَاعِدًا، وَكَانَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ، وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الفَجرُ صَلَّى رَكعَتَينِ « [صحیح مسلم حدیث: ۷۳۰]۔

ترجمہ: عبداللہ بن شقیق نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال کیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعات ادا کرتے تھے، پھر آپ گھر سے نکلتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے، پھر آپ گھر تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے، لوگوں کو

مغرب کی نماز پڑھاتے پھر گھر تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے، لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، اور رات میں وتر سمیت نو رکعات ادا کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں دیر تک کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے اور دیر تک بیٹھ کر بھی نماز ادا کرتے، جب آپ کھڑے ہو کر قراءت کرتے تو کھڑے ہو کر ہی رکوع وسجود کرتے، اور جب بیٹھ کر قراءت کرتے تو بیٹھ کر ہی رکوع وسجود کرتے، اور جب طلوع فجر ہوتا تو دو رکعت نماز ادا کر لیتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنت نمازیں گھر ہی میں ادا کرتے تھے، اور آپ کا یہ عمل دائمی تھا۔

اب آئیں! ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کون کون سی نمازیں ہیں جن کا گھروں میں ادا کرنا ہی زیادہ افضل ہے:

۱-فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں ادا کی جانے والی سنتیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعتِ مطہرہ میں کچھ ایسی نمازوں کا ذکر ہے جن کو فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں ادا کی جاتی ہیں، ان نمازوں کی فضیلت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت کو دیکھتے ہوئے ہم انہیں دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلی قسم: سُننِ رواتب: سُننِ رواتب سے مراد وہ مؤکدہ سنتیں ہیں جن کی ادائیگی سے متعلق کچھ صحیح روایتیں وارد ہیں، ساتھ ہی ان کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مداومت کے ساتھ ان کی ادائیگی کیا کرتے تھے۔

سُنن رواتب کی رکعتوں کی تعداد کے بارے میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک دس رکعتیں ہیں، جبکہ بعض کے نزدیک سُنن رواتب کی تعداد بارہ رکعات ہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف کا سبب یہ ہی کہ چونکہ اس سلسلے میں متعدد صحیح روایتیں وارد ہیں، کچھ میں دس رکعات کا ذکر ہے تو کچھ میں بارہ رکعتوں کا ثبوت، جس کے سبب علماء کرام کے درمیان سُنن رواتب کی تعداد میں اختلاف ہو گیا۔

اس جگہ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر دلائل کی بنا پر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو شریعتِ مطہرہ میں اس کی گنجائش ہے، لیکن واضح دلائل کے موجود ہونے کے باوجود کسی مسئلہ میں اختلاف کرنا شرعاً مذموم عمل ہے۔

جن علماء نے دس رکعات کی بات کہی ہیں وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، فعَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمَا، قَالَ »حفظتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عشرَ رَكَعَاتٍ رَكعَتَينِ قَبلَ الظُّهرِ، وَرَكعَتَينِ بَعدَهَا، وَرَكعَتَينِ بَعدَ المَغرِبِ فِي بَيتِهِ، وَرَكعَتَينِ بَعدَ العِشَاءِ فِي بَيتِهِ، وَرَكعَتَينِ قَبلَ صَلاَةِ الصُّبحِ« [صحیح بخاری حدیث:۱۱۸۰]۔

ترجمہ: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں یاد کی ہے، ظہر سے پہلے دو رکعات، ظہر کے بعد دو رکعات، مغرب کے بعد گھر میں دو رکعات، عشاء کے بعد گھر میں دو رکعات، فجر کی نماز سے پہلے دو رکعات۔

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے دو ہی رکعات کا اہتمام کرتے تھے۔

اور جن علماء نے بارہ رکعتوں کی بات کہی ہے وہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، فعن أُمِّ حَبِيبَةَ، تَقُولُ: سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: »مَن صَلَّى اثنَتَي عَشرَةَ رَكعَةً فِي يَومٍ وَلَيلَةٍ، بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيتٌ فِي الجَنَّةِ« قَالَت أُمُّ حَبِيبَةَ: فَمَا تَرَكتُهُنَّ مُنذُ سَمِعتُهُنَّ مِن رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ عَنبَسَةُ: »فَمَا تَرَكتُهُنَّ مُنذُ سَمِعتُهُنَّ مِن أُمِّ حَبِيبَةَ«، وَقَالَ عَمرُو بنُ أَوسٍ: »مَا تَرَكتُهُنَّ مُنذُ سَمِعتُهُنَّ مِن عَنبَسَةَ« وَقَالَ النُّعمَانُ بنُ سَالِمٍ: »مَا تَرَكتُهُنَّ مُنذُ سَمِعتُهُنَّ مِن عَمرِو بنِ أَوسٍ« [صحیح مسلم حدیث: ۷۲۸]۔

ترجمہ: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو شخص دن ورات میں بارہ رکعات نماز ادا کرتا ہے اس کے لئے اس کے عوض جنت میں گھر بنایا جاتا ہے۔ ام حبیبہ کہتی ہیں: جب سے میں نے اسے سنا اس وقت سے آج تک میں نے یہ بارہ رکعتیں نہیں چھوڑی ہے۔ عنبسہ فرماتے ہیں: جب سے اس کے بارے میں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے سنا ان بارہ رکعتوں کو میں نے کبھی نہیں چھوڑا ہے۔ عمرو بن اوس کہتے ہیں: عنبسہ سے جب سے میں نے سنا ان بارہ رکعتوں کو میں نے کبھی نہیں چھوڑا۔ نعمان بن سالم فرماتے ہیں: عمرو بن اوس سے جب سے میں نے اس کے بارے میں سنا اس وقت سے آج تک میں نے انہیں نہیں چھوڑا۔

دونوں صحیح روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہیکہ سُننِ رواتب [سنت مؤکدہ] جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کافی اہتمام کرتے تھے وہ بارہ رکعات ہیں جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات کا کافی اہتمام کرتے تھے جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: فعَن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا: »أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ لاَ يَدَعُ أَربَعًا قَبلَ الظُّهرِ، وَرَكعَتَينِ قَبلَ الغَدَاةِ« [صحیح بخاری حدیث:۱۱۸۲]۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات اور فجر سے پہلے دو رکعات کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

معلوم ہوا کہ سُننِ رواتب [مؤکدہ] بارہ رکعات ہیں، اور ان بارہ رکعتوں کی آپ

صلی اللہ علیہ وسلم پابندی فرماتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غالبا گھر ہی میں ادا کرتے، لہذا ان بارہ رکعتوں کا اہتمام اور انہیں گھروں میں ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

دوسری قسم: سنن غیر رواتب: سنن رواتب کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نمازوں سے پہلے اور فرض نمازوں کے بعد سنتیں ثابت ہیں، لیکن ان ثابت سنتوں کو علماء وفقہاء نے غیر رواتب میں شمار کیا ہے۔

غیر مؤکدہ سنتیں جو فرض نمازوں سے پہلے اور بعد میں پڑھی جاتی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نماز عصر سے پہلے: عصر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعات سنت ادا کرنا ثابت ہے، فعن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »رَحِمَ اللهُ امرأ صلى قبل العصر أربعا« [سنن أبي داود حدیث: ۱۲۷۱، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے]۔

ترجمہ: اللہ تعالی اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعات نماز ادا کی ہے۔

اسی طرح سنن ترمذی میں ہے: عن علي، قال: »كان النبي صلى الله عليه وسلم يُصلي قبل العصر أربعَ ركعاتٍ يفصل بينهن بالتسليم على الملائكة المقربين، ومن تبعهم من المسلمين والمؤمنين« [سنن ترمذی حدیث: ۴۲۹، شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے]۔

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتے، دو رکعات پر مقرب فرشتے اور مسلمانوں پر سلام کے ذریعہ فصل کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتے تھے، اور دو رکعات پر سلام پھیرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہیکہ چار رکعات والی نمازیں چاہے وہ رات کی نماز ہو یا دن کی، دو دو رکعات کرکے ہی پڑھنی چاہئے۔ واللہ تعالی اعلم۔

نماز مغرب سے پہلے: مغرب کی فرض نمازوں سے پہلے دو رکعات غیر سنت مؤکدہ ثابت ہیں، صحیح بخاری میں ہے: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: »كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ، حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صلّى الله عليه وسلم وَهُمْ كَذَلِكَ، يُصَلُّونَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ المَغْرِبِ، وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ شَيْءٌ«، قَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ، وَأَبُو دَاوُدَ: عَنْ شُعْبَةَ، لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ. [صحیح بخاری حدیث: ۶۲۵]۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہیکہ جب مؤذن مغرب کی اذان پکار لیتا تو صحابہ کرام کھمبوں کی طرف تیزی کے ساتھ جاتے اور دو رکعات نماز ادا کرتے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »صلوا قبل المغرب ركعتين قال »صلوا قبل المغرب ركعتين لمن شاء «، خشية أن يتخذها الناس سنة" [سنن أبي داود حدیث: ۱۲۸۱، شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے]۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعات نماز ادا کرلو، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا: جو چاہے پڑھے اس خوف سے کہ کہیں لوگ اسے لازم نہ سمجھ لیں۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ مغرب کی فرض نماز سے پہلے دو رکعات ثابت ہیں اور صحابہ کرام اس کا اہتمام کرتے تھے، لہٰذا ہم مسلمانوں کو بھی بلاتفریق مسلک اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نماز عشاء سے پہلے اور نماز عشاء کے بعد: عشاء کی فرض نمازوں سے پہلے دو رکعات سنت غیر مؤکدہ ثابت ہیں، فعَن عَبدِ اللَّهِ بنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: »بَينَ كُلِّ أَذَانَينِ صَلاةٌ، بَينَ كُلِّ أَذَانَينِ صَلاةٌ«، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: »لِمَن شَاءَ« [صحیح بخاری حدیث: ۶۲۷]۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اذان واقامت کے درمیان نماز ہے، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا: جو چاہے پڑھے۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اکثر علماء عشاء سے پہلے دو رکعت نماز ثابت مانتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی عشاء کی فرض نماز کے بعد دو رکعات سنت مؤکدہ پڑھ لینے کے بعد مزید دو رکعات غیر سنت مؤکدہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، کیونکہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھار ثابت ہے، فعَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بِتُّ فِي بَيتِ خَالَتِي مَيمُونَةَ بِنتِ الحَارِثِ زَوجِ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلم وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عِندَهَا فِي لَيلَتِهَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ العِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنزِلِهِ، فَصَلَّى أَربَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، ثُمَّ قَالَ: »نَامَ الغُلَيِّمُ« أَو كَلِمَةً تُشبِهُهَا، ثُمَّ قَامَ، فَقُمتُ عَن يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِي عَن يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكعَتَينِ، ثُمَّ نَامَ، حَتَّى سَمِعتُ غَطِيطَهُ أَو خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلاَةِ" [صحیح بخاری حدیث: ۱۱۷]۔

ترجمہ: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیکہ انہوں نے کہا: میں نے اپنی خالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی میمونہ بنت حارث کے گھر میں رات گزاری، اس رات رسول اللہ صلی اللہ انہیں کے پاس تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی اور پھر گھر تشریف لائے، اور آپ نے چار رکعات نماز ادا کی، پھر آپ سو گئے، پھر آپ بیدار ہوئے اور آپ نے فرمایا: بچہ سو گیا یا اسی طرح آپ نے

کچھ فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دائیں جانب کردیا، پھر آپ نے پانچ رکعات نماز ادا کی، پھر دو رکعات ادا کی، پھر آپ سو گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹے کی آواز سنی، پھر آپ نماز کیلئے نکلے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد چار رکعات بھی ادا کرتے تھے، لیکن ان میں سے دو رکعات ہی سنت مؤکدہ ہیں، باقی دو رکعتیں عام سنت ہیں۔

۲-نماز وتر: نماز وتر کی شریعت میں کافی تاکید آئی ہوئی ہے، **عن علی رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أل القرآن، أوتروا، فإن الله وتر، يحب الوتر«** [سنن أبی داود۱۴۱۶، صحیح]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اے قرآن والو! وتر پڑھا کرو، کیونکہ اللہ تعالی وتر [طاق] ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے۔

وتر نماز پڑھنے کا سب سے بہترین وقت رات کا آخری حصہ ہے، **فعَن عَبدِ اللَّهِ بنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ: »اجعَلُوا آخِرَ صَلاتِكُم بِاللَّيلِ وِترًا«** [صحیح بخاری حدیث:۹۹۸]۔

ترجمہ: وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔

لیکن اگر کوئی رات کے آخری حصے میں نہیں پڑھ سکتا ہو تو شروع رات میں یا سونے سے پہلے ہی پڑھ لے، **عَن جَابِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: »مَن خَافَ أَن لا يَقُومَ مِن آخِرِ اللَّيلِ فَليُوتِر أَوَّلَهُ، وَمَن طَمِعَ أَن يَقُومَ آخِرَهُ فَليُوتِر آخِرَ اللَّيلِ، فَإِنَّ صَلاةَ آخِرِ اللَّيلِ مَشهُودَةٌ، وَذَلِكَ أَفضَلُ«** [صحیح مسلم حدیث:۷۵۵]۔

ترجمہ: جس شخص کو ڈر ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہیں ہوسکتا ہے تو وہ شروع رات ہی میں وتر پڑھ لے، اور جسے آخری رات میں بیدار ہونے کی امید ہو وہ آخری رات میں وتر ادا کرے، کیونکہ آخری رات کی نماز محفوظ ہوتی ہے، اور یہ افضل بھی ہے۔

وتر کی نماز کی ایک رکعت، تین رکعات، پانچ رکعات، سات رکعات اور نو رکعات ثابت ہیں، البتہ تین رکعات وتر اگر کوئی پڑھے تو اسے چاہئے کہ مغرب کی نماز کی طرح نہ پڑھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، **فعن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: »لا توتروا بثلاث، ولا تشبهوا بصلاة المغرب، أوتروا بخمس، أو بسبع«** [المستدرك على الصحيحين للحاكم حديث: ۱۱۳۸، امام حاکم نے فرمایا: یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری ومسلم کے شرط پر ہے، لیکن ان دونوں نے روایت نہیں کی ہیں، اور امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہیں]۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی تین رکعات وتر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے لیکن مغرب کی نماز کی طرح نہیں پڑھنا چاہئے۔

عام طور پر تین رکعات وتر پڑھنے کی دو شکلیں بیان کی جاتی ہیں:

۱-تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھی جائے لیکن دو رکعات کے بعد تشہد کے لئے نہ بیٹھا جائے بلکہ ایک ساتھ تین رکعات پڑھنے کے بعد ہی تشہد کے لئے بیٹھا جائے۔

۲-دو رکعات پڑھکر سلام پھیر لیا جائے، پھر الگ سے ایک رکعت پڑھی جائے۔[الشرح الممتع لابن عثيمين ۴/ ۱۴-۱۶]۔

ایک رکعت وتر پڑھنے کی دلیل بخاری کی روایت ہے، **عَن عَبدِ اللَّهِ بنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: »صَلاةُ اللَّيلِ مَثنَى مَثنَى، فَإِذَا أَرَدتَ أَن تَنصَرِفَ، فَاركَع رَكعَةً تُوتِرُ لَكَ مَا صَلَّيتَ«** [صحیح بخاری حدیث:۹۹۳]۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو دو رکعات ہیں، جب تم نماز سے فارغ ہونا چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو یہ تمہاری سابقہ نمازوں کے لئے وتر ہو جائیگی۔

۳-قیام اللیل کی نماز: قیام اللیل (تہجد) کا ذکر قرآن وصحیح احادیث میں موجود ہے، صلاۃ اللیل (رات کی نماز) متعدد ناموں سے جانا جاتا ہے، قیام اللیل، صلاۃ اللیل، تراویح، تہجد اور وتر وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل کا کافی اہتمام کرتے تھے، **فعَن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا: أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُومُ مِنَ اللَّيلِ حَتَّى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقَالَت عَائِشَةُ: لِمَ تَصنَعُ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَقَد غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: »أَفَلاَ أُحِبُّ أَن أَكُونَ عَبدًا شَكُورًا«** [صحیح بخاری حدیث:۴۸۳۷]۔

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل کرتے جس کے سبب آپ کے دونوں پیروں میں سوجن آجاتی، حضرت عائشہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اس قدر قیام اللیل کیوں کرتے ہیں؟ جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرمادیا ہے، تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام اللیل گیارہ رکعات ادا کرتے، **فعَن أَبِي سَلَمَةَ بنِ عَبدِ الرَّحمَنِ، أَنَّهُ أَخبَرَهُ: أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا، كَيفَ كَانَت صَلاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَت: »مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلاَ فِي غَيرِهِ عَلَى**

إِحدَى عَشرَةَ رَكعَةً يُصَلِّي أَربَعًا، فَلاَ تَسَل عَن حُسنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَربَعًا، فَلاَ تَسَل عَن حُسنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلاَثًا «[صحیح بخاری حدیث:۱۱۴۷]۔

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمن عائشہ رضی اللہ عنہا سے رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں سوال کیا، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ چار رکعات پڑھتے، آپ کی نماز کی خوبصورتی اور طوالت کے بارے میں نہ پوچھو! پھر چار رکعات ادا کرتے، آپ کی نماز کی خوبصورتی اور طوالت کے بارے میں مت پوچھو! پھر تین رکعات ادا کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات پر اکتفاء کرتے ،لیکن اگر کوئی گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا چاہے تو - ان شاء اللہ- کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

۴-چاشت کی نماز: چاشت کی نماز صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس کے متعدد نام ہے، اسے صلاۃ الضحیٰ، صلاۃ الاشراق اور صلاۃ الاوابین کہتے ہیں، البتہ اگر طلوع شمس کے فورا بعد ادا کی جائے تو اسے صلاۃ الاشراق کہتے ہیں، اور اگر سورج کے اندر تپش آجانے کے بعد پڑھی جائے تو صلاۃ الاوابین کہتے ہیں، اور ان تمام نمازوں کو صلاۃ الضحیٰ (یعنی چاشت کی نماز) بھی کہتے ہیں۔

چاشت کی نماز طلوع شمس سے لیکر زوال شمس سے پہلے تک پڑھی جاسکتی ہے، اس کی رکعت کے بارے میں اکثر کا کہنا ہیکہ اس کی اقل تعداد دو رکعات ہے، اور اکثر کی کوئی تحدید نہیں، یعنی اگر کوئی چاہے تو دو رکعات پڑھے یا چار یا چھ یا آٹھ یا اس سے بھی زیادہ۔ یہ نماز عام سنت نمازوں کی طرح مسجد میں بھی ادا کی جاسکتی ہے اور گھر میں بھی۔

اس نماز کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کی ادائیگی کی وصیت کی تھی، فعَن أَبِي هُرَيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ، قَالَ: أَوصَانِي خَلِيلِي بِثَلاَثٍ لاَ أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ: »صَومِ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ مِن كُلِّ شَهرٍ، وَصَلاَةِ الضُّحَى، وَنَومٍ عَلَى وِترٍ« [بخاری حدیث:۱۱۷۸]۔

ترجمہ: میرے دوست نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی تھی، میں مرتے دم تک اسے نہیں چھوڑوں گا، ایک یہ ہے کہ میں ہر مہینہ تین روزے رکھوں، دوسرا یہ کہ چاشت کی نماز ادا کروں اور تیسرا یہ کہ سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لیا کروں۔

نماز تحیۃ الوضوء: شریعت اسلامیہ میں وضو کے بعد بھی ایک نماز کا ذکر ملتا ہے، جسے تحیۃ الوضو کہا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: »مَا مِن مُسلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحسِنُ وُضُوءَهُ، ثُمَّ يَقُومُ فَيُصَلِّي رَكعَتَينِ، مُقبِلٌ عَلَيهِمَا بِقَلبِهِ وَوَجهِهِ، إِلَّا وَجَبَت لَهُ الجَنَّةُ« [مسلم حدیث:۲۳۴]۔

ترجمہ: اگر کوئی مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرتا ہے تو اس پر جنت واجب ہوجاتی ہے۔

یہ کچھ اہم سنت نمازیں ہیں جن کا ادا کرنا صحیح ومستند روایتوں سے ثابت ہے، اور ان نمازوں کو گھروں میں ادا کرنا زیادہ باعث اجر وثواب ہے، لہذا ہمیں بھی ان نمازوں کی پابندی کرنی چاہئے، اور اگر ہم ان نمازوں کو گھروں میں ادا کرتے ہیں تو زیادہ بہتر ہے۔

گھروں میں سنن ونوافل کی ادائیگی کی حکمت:

گھروں میں سنن ونوافل ادا کرنے کی بہت ساری حکمتیں ہیں، بعض حکمتیں ملاحظہ فرمائیں:

۱-گھروں میں سنن ونوافل نمازیں ادا کرنے کی سب سے اہم حکمت یہ ہیکہ اس سے ہماری نمازوں کے اندر زیادہ اخلاص وللّٰہیت پیدا ہوگی، اور کسی بھی عبادت واطاعت کی قبولیت کے لئے اخلاص وللّٰہیت کا ہونا اہم شرط ہے۔

۲-گھروں میں نماز کی ادائیگی سے ہماری یہ پاکیزہ عبادت ریاکاری سے دور رہے گی، اور ہماری عبادت اللہ کے بارگاہ میں قابل قبول ہوگی، اور یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ ریاکاری سے اعمال برباد ہوجاتے ہیں۔

۳-گھروں میں سنن ونوافل کی ایک اہم حکمت یہ ہیکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع وپیروی لازم آئیگی جس کا کسی بھی عبادت واطاعت میں ہونا ضروری امر ہے۔

۴-گھروں میں سنن ونوافل کی ادائیگی کی ایک حکمت یہ بھی ہیکہ اس سے نماز کے اجر وثواب میں اضافہ ہوگا جو ہر عبادت کی ادائیگی میں ایک مؤمن کا مطمح نظر ہوتا ہے۔

۵-گھروں میں سنن ونوافل کی ادائیگی سے گھر کا ماحول ایمانی اور روحانی ہوگا، جس سے گھروں میں خیر وبرکت کا نزول ہوگا۔

۶-گھروں میں سنن ونوافل کی ادائیگی سے اہل وعیال کی ایمانی وروحانی تربیت پر گہرا اثر پڑیگا۔

۷-گھروں میں سنن ونوافل کی ادائیگی سے گھر اللہ ذوالجلال کے ذکر، تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور تلاوت قرآن کریم سے معمور رہیگا۔

ان تمام حکمتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ ہم کچھ سنن ونوافل نمازیں ضرور گھروں میں ادا کیا کریں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اے اللہ! تو ہمیں ہر ہر عبادت واطاعت میں اخلاص اور سنت رسول کی توفیق عطا فرما۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

☆☆☆

سجدہ تلاوت: احکام ومسائل

محمد غفران بن عبید الرحمٰن سلفی

سجدہ تلاوت کا معنی ومفہوم: سجدہ تلاوت وہ سجدہ ہے جو قرآن کریم کی سجدوں والی آیات میں سے کسی آیت کی تلاوت کے بعد کیا جاتا ہے۔(۱)

سجدہ تلاوت کی اہمیت وفضیلت: سجدہ تلاوت عبادت الٰہی اورتقرب الی اللہ کا ایک بہترین وسیلہ ہے،اس کے ذریعہ اللہ رب العزت کے سامنے خشوع وخضوع اور تذلل وانکساری کا اظہار ہوتا ہے،کتاب وسنت میں سجدہ تلاوت کی اہمیت وفضیلت سے متعلق کئی نصوص وارد ہیں اور سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے،اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:وَاِذَا قُرِئَ عَلَیۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا یَسۡجُدُوۡنَ (۲) اور جب ان کے (کفار) سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ نہیں کرتے۔

اور نبی ﷺ کا یہ معمول تھا کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت جب کسی سجدہ والی آیت سے گزرتے تو سجدہ کرتے،جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:کان النبی ﷺ یقرأ السورۃ التی فیھا السجدۃ فیسجد، و نسجد حتی ما یجد أحدنا مکانا لموضع جبھتہ (۳) نبی ﷺ جب کسی ایسی سورت کی تلاوت فرماتے جس میں سجدہ ہوتا تو آپ خود سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم میں سے بعض کو زمین پر پیشانی رکھنے کے لیے جگہ نہ ملتی تھی۔اور صحیح مسلم میں ’’فی غیر صلاۃ‘‘(۴)(نماز کے علاوہ میں) کا اضافہ ہے۔

مذکورہ حدیث سے سجدہ تلاوت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس قدر سجدہ کرنے کا اہتمام کرتے تھے کہ جگہ بھی تنگ پڑ جاتی تھی۔

سجدہ تلاوت کی فضیلت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث سے مزید واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اذا قرأ ابن آدم السجدۃ، فسجد، اعتزل الشیطان یبکی، یقول : یاویلہ! امر ابن آدم بالسجود، فسجد ، فلہ الجنۃ، وأمرت بالسجود، فأبیت فلی النار (۵)

جب ابن آدم آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے: ہائے افسوس!ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کیا،اس کے لیے جنت ہے،مجھے سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو میں نے انکار کر دیا،میرے لیے آگ ہے۔

سجدہ تلاوت کا حکم اقوال ائمہ کی روشنی میں: سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت؟اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے:

۱۔جمہور اہل علم کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت اور مستحب ہے،فرض اور واجب نہیں ہے۔(۶)

دلیل:حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان النبی ﷺ قرأ سورۃ النجم فسجد بھا (۷) نبی ﷺ نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی تو آپ نے سجدہ کیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قرأت علی النبی ﷺ النجم فلم یسجد فیھا (۸) میں نے نبی ﷺ کے پاس سورہ نجم کی تلاوت فرمائی لیکن آپ نے سجدہ نہیں کیا۔

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت فرض یا واجب نہیں کیونکہ اگر یہ واجب ہوتا تو نبی ﷺ اسے کبھی ترک نہ کرتے،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے جواز کو بیان کرنے کے لیے سجدہ چھوڑ دیا(۹) سجدہ تلاوت کے واجب نہ ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر پر سورہ نحل کی تلاوت فرمائی،جب سجدہ والی آیت آئی تو منبر سے نیچے اترے اور سجدہ کیا تو لوگوں نے بھی سجدہ کیا پھر جب اگلا جمعہ آیا تو انہوں نے دوبارہ وہی سورت تلاوت فرمائی اور جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو فرمایا: یا ایھا الناس، انا نمر بالسجود فمن سجد فقد أصاب ومن لم یسجد فلا اثم علیہ (۱۰) اے لوگو!یقیناً ہم سجدوں والی آیت سے گزرتے ہیں،لہٰذا جو شخص یہ سجدے کرے گا اسے اجر وثواب ملے گا اور جو یہ سجدے نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں۔اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:ان اللہ لم یفرض السجود الا أن نشاء بیشک اللہ تعالیٰ نے سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا ہے مگر یہ کہ ہم خود کرنا چاہیں۔

مذکورہ واقعہ جمعہ کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جم غفیر کے سامنے پیش آیا اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی اور نہ ہی کسی سے اس کی مخالفت منقول ہے۔اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔(۱۱)

۲۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔دلیل:اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا یَسۡجُدُوۡنَ (۱۲) اس آیت کریمہ میں سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے اور مذمت کسی واجب کے ترک کرنے پر ہی کی جاتی ہے۔(۱۳)

دوسری دلیل صحیح مسلم میں وارد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی (گزشتہ صفحہ پر) مذکورہ روایت ہے جس میں یہ لفظ ہے۔ امر ابن آدم بالسجود ابن آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

مذکورہ حدیث میں صیغہ امر کا استعمال کیا گیا ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا سجدہ تلاوت واجب ہے۔

راجح قول: جمہور کا قول راجح ہے یعنی: سجدۂ تلاوت واجب نہیں بلکہ سنت ہے مذکورہ دلائل کی بنا پر۔ اور جن لوگوں نے سجدہ تلاوت کو واجب قرار دیا ہے، سنت کے قائلین نے ان کے دلائل کا کئی طرح سے جواب دیا ہے، چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت سے وجوب کا استدلال کرنے والوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”آیت میں ان سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو جھٹلاتے ہوئے سجدہ نہیں کرتے جیسا کہ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ (١٤)

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کا جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں امر کا لفظ ابلیس کا کلام ہے جس میں کوئی حجت و دلیل نہیں اور اس سے مراد سجدے میں مشارکت ہے نہ کہ وجوب میں (۱۵)

سجدہ تلاوت کی تعداد اوراس کے متعلق علماء کا اختلاف: (۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کی تعداد چودہ ہے اور یہ سورہ حج کے دوسرے سجدہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ دلیل: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی جانب ایک منسوب روایت ہے کہ انه عد السجدات التي سمعها من رسول الله ﷺ وعد في الحج سجدة واحدة انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سماع کئے ہوئے سجدات کو شمار کرادیا اور سورہ حج میں ایک ہی سجدہ کو شمار کیا۔ اور دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ایک موقوف روایت ہے، انہوں نے فرمایا: سجدة التلاوة في الحج هي الاولى والثانية سجدة الصلاة سورہ حج میں پہلی سجدہ کی جگہ سجدہ تلاوت ہے اور دوسری جگہ سجدہ صلاۃ ہے۔ اس لیے کہ جب سجدہ کو رکوع کے ساتھ ملا دیا جائے تو اس سے مراد سجدہ صلاۃ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران:٤٣) تیسری دلیل فقہاء وقراء مدینہ کا عمل ہے کہ وہ سورہ حج کے دوسرے مقام پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔ (۱۶)

(۲) امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کی تعداد گیارہ ہے، یہ مفصل (سورہ النجم، الانشقاق اور العلق) کے سجدوں کے قائل نہیں ہیں۔ دلیل: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سجدت مع النبي ﷺ احدى عشرة سجدة ليس فيها من المفصل شئي (الحديث) (۱۷) میں نے نبی ﷺ کے ساتھ گیارہ سجدے کیے جس میں مفصل سے کوئی سجدہ نہیں تھا نیز اہل مدینہ کے فقہاء وقراء سورۃ النجم اور انشقاق کا سجدہ نہیں کرتے تھے۔ (۱۸)

(۳) امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قدیم قول کے مطابق سجدہ تلاوت کی تعداد گیارہ ہے۔ دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان رسول الله ﷺ لم يسجد في شئي من المفصل منذ تحول الى المدينة (۱۹) رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مفصل سورتوں میں سے کسی میں بھی سجدہ تلاوت نہیں کیا۔

اور جدید قول کے مطابق وہ چودہ سجدوں کے قائل ہیں۔ (سورۃ الحج میں دونوں سجدوں کے قائل ہیں لیکن سورہ ص میں سجدہ تلاوت کے قائل نہیں ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ سجدہ شکر اور نبی کا توبہ ہے۔

دلیل: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سورہ ”ص“ میں سجدہ تلاوت کیا اور فرمایا: سجدها داؤد توبة ونسجدها شكرا (۲۰) حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا اور ہم شکریہ کے طور پر اس کا سجدہ کرتے ہیں۔ نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ص ليس من عزائم السجود وقد رأيت النبي ﷺ يسجد فيها (۲۱) سورہ ص یہ قرآن کریم کے مؤکد سجود تلاوت میں سے نہیں ہے لیکن میں نے نبی ﷺ کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۲۲)

۴۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سجدہ تلاوت کی کل تعداد پندرہ ہے (ان کے نزدیک سورہ حج کے دونوں سجدے، سورہ ص کا سجدہ اور مفصل کے تینوں سجدے بھی سجدہ تلاوت میں شامل ہیں) ان کی دلیل حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان رسول الله ﷺ أقرأه خمس عشرة سجدة في القرآن منها ثلاث في المفصل وفي سورة الحج سجدتان (۲۳) رسول اللہ ﷺ نے انہیں قرآن میں پندرہ سجدے پڑھاتے ہیں، جن میں مفصل کے تین اور سورہ حج کے دو سجدے ہیں۔ (۲۴)

راجح قول: سجدہ تلاوت کی تعداد پندرہ ہے، سورہ حج کے دوسرے سجدے والی حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اکثر وبیشتر امت کا اس پر عمل ہے اور بعض صحابہ سے بھی اس پر عمل ثابت ہے جس سے اس کی مشروعیت واضح ہوجاتی ہے اور بقیہ تمام سجدے صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ (۲۵)

امام شافعی، اسحاق، ابوثور، ابن منذر رحمہم اللہ اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابوالدرداء، ابوموسی ابوعبدالرحمٰن السلمی ابوالعالیہ اور زر بن جیش رضی اللہ عنہم سورہ حج میں دوسجدے کے قائل ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: فضلت سورة الحج بسجدتين سورہ حج کو دوسجدوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے، چنانچہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جوصحابہ کرام سورہ حج میں دوسجدوں کے قائل ہیں ان کی کسی نے بھی مخالف نہیں کی گویا اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (۲۶)

امام ابواسحاق فرماتے ہیں: میں نے ستر سال سے لوگوں کو سورہ حج میں دوسجدہ کرتے ہوئے پایا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اگر میں دونوں سجدوں میں سے کسی ایک کو ترک کرتا تو پہلے سجدہ کو ترک کرتا۔ امام ابن قدامہ فرماتے ہیں: اس لیے کہ پہلا اخبار ہے اور دوسرا امر ہے اور امر کی اتباع کرنا زیادہ اولی وبہتر ہے اور رکوع کا ذکر کیا جانا یہ سجود کو ترک کرنے کا متقاضی نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا (سورہ مریم:۵۸) وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (الاسراء ۱۰۹)

سجدہ تلاوت کے مقامات:

(۱) سورہ الاحزاب:۲۰۶ (۲) سورۃ الرعد:۱۵ (۳) سورۃ النحل:۵۰ (۴) سورۃ الاسراء۱۰ (۵) سورہ مریم:۵۸ (۶) سورۃ الحج:۱۸ (۸) سورۃ الحج:۷۷ (۸) سورۃ الفرقان:۶ (۹) سورۃ النمل:۲۶ (۱۰) سورۃ السجدہ:۱۵ (۱۱) سورۃ ص:۲۴ (۱۲) حم السجدۃ:۳۸ (۱۳) سورۃ النجم:۶۲ (۱۴) سورۃ الانشقاق:۲۱ (۱۵) سورۃ العلق:۱۹

سجدہ تلاوت کی دعا اور اس سے متعلق احادیث کا تحقیقی جائزہ: سجدہ تلاوت میں درج ذیل دعاؤں میں سے کوئی بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رات کو قرآن کریم کی تلاوت کے دوران سجدے میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ سجد وجهی للذی خلقه وشق سمعه وبصره بحوله وقوته (۲۷)

۲۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے: اللهم لك سجدت وبك امنت، ولك اسلمت سجد وجهی للذی خلقه وصوره وشق سمعه وبصره تبارك الله واحسن الخالقين (۲۸)

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ کیا تو یہ دعا پڑھی۔

اللهم اكتب لی بها عندك اجرا، وضع عنی بها وزرا، وجعلها لی عندك فخرا، وتقبلها منی كما تقبلتها من عبدك داؤد (۲۹)

۴۔ سبحان ربی الاعلیٰ اور سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی بھی سجدہ تلاوت میں پڑھ سکتے ہیں ابن سکن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر نماز میں کوئی آیت سجدہ تلاوت کرے تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

سجدہ تلاوت سے متعلق بعض متفرق مسائل:

☆ سجدۂ تلاوت کے لیے طہارت اور قبلہ رخ ہونا مستحب ہے لیکن وضو اور قبلہ کی طرف رخ کیے بغیر بھی سجدہ کر سکتے ہیں کیونکہ یہ نماز نہیں ہے۔

☆ خارج نماز میں سجدہ تلاوت کے لیے نیت ضروری ہے لیکن نماز میں ضروری نہیں کیونکہ یہ نماز ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

☆ سجدہ تلاوت کرتے وقت رفع الیدین کیے بغیر تکبیر کہیں گے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کا کہنا اور نہ کہنا دونوں ثابت ہے لیکن نماز میں تکبیر کہنا ضروری ہے ، اسی طرح نماز وخارج نماز میں جلسہ استراحت تشہد اور سلام نہیں ہے۔

☆ اگر امام نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی وجہ سے سجدہ کرے تو مقتدیوں کو اس کے ساتھ سجدہ کرنا واجب ہے نہ کرنے کی صورت میں نماز باطل ہوجائے گی۔

☆ جو شخص قاری کے پاس بیٹھ کر قصدا تلاوت قرآن سن رہا ہو تو اگر قاری سجدہ تلاوت کررہا ہے تو اس کے لیے بھی سجدہ کرنا ضروری ہے لیکن اگر کوئی شخص قصداً بیٹھ کر کے تلاوت نہیں سن رہا ہے بلکہ اس کے کانوں میں تلاوت کی آواز آرہی ہو تو اس کے لیے سجدہ تلاوت کرنا ضروری نہیں۔ نیز قاری اگر سجدہ تلاوت نہیں کرتا تو سامع بھی سجدہ نہیں کرے گا۔

☆ سری وجہری دونوں نمازوں میں آیت سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں لیکن امام کو چاہیے کہ وہ سری نمازوں میں آیت سجدہ کی تلاوت نہ کرے تاکہ مقتدی حضرات التباس کا شکار نہ ہوں۔

☆ نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ سجدے سے اٹھنے کے بعد کوئی آیت یا سورت تلاوت فرمائے اس کے بعد رکوع کرے لیکن اس کے برعکس بھی کیا جاسکتا ہے یعنی بغیر کچھ تلاوت کیے ہوئے سجدہ سے اٹھ کر رکوع میں چلا جائے۔

☆ نماز میں تلاوت کے دوران اگر آخری آیت سجدہ ہو تو نمازی کو اختیار ہے چاہے یہ رکوع کرے یا سجدہ لیکن سجدہ کرنا افضل ہے۔

☆ آیت سجدہ کی تلاوت اور سجدہ کرنے کے درمیان لمبا فصل نہیں کرنا چاہیے بلکہ فوراسجدہ کرلینا چاہیے۔

☆ اوقات ممنوعہ میں سجدہ تلاوت نہ کرنا بہتر ہے لیکن کر لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ ایک سببی سجدہ ہے۔

☆ اگر کوئی شخص سجدہ والی آیت کو تکرار کے ساتھ پڑھ رہا ہے تو اس کے لیے صرف ایک سجدہ کرلینا کافی ہے۔

سجدہ کرنے کے لیے صرف سجدہ والی آیت پڑھنا یا پوری سورت پڑھنا لیکن سجدہ والی آیت کو ترک کردینا مکروہ ہے۔ (۳۰)

حواشی

(۱) الموسوعة الفقهية ۲۱۲/۲۴ (۲) سورة الانشقاق : ۲۱ (۳) صحيح البخاری ، كتاب أبواب سجود القرآن، باب من لم يجد موضعا للسجود (۱۰۷۹) (٤) صحيح مسلم : كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة (۵۷۵) (٥) صحيح مسلم: كتاب الايمان، باب كفر من ترك الصلاة (۸۱) (٦) المغنی لابن قدامة ۵٤۱/۱ (۷) صحيح البخاری ابواب سجود

القرآن، باب سجدة النجم (١٠٧٠)(٨) صحيح البخاری : أبواب سجود القرآن، باب من قرأ السجدة ولم يسجد (١٠٧٣)(٩) فتح الباری شرح صحيح البخاری ٦٧٥/٣(١٠) صحيح البخاری ابواب سجود القرآن، باب من رأى أن الله لم يوجب السجود (١٠٧٧)(١١) المغنی لابن قدامة ٥٤١/٢(١٢) سورة الانشقاق : ٢٠-٢١(١٣) المغنی لابن قدامة ٥٤١/٢(١٤) التبيان فی آداب حملة القرآن للنووی ص١٧١(١٥) شرح مسلم للنووی ١٤٦/٢(١٦) مؤطا مالك رواية محمد بن الحسن الشيبانی ٩٧/١، بدائع الصنائع ٩٣/١، الموسوعة الفقهية ٢١٧/٢٤(١٧) سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها، باب عدد سجود القرآن (١٠٥٦) وضعفه الألبانی رحمه الله (١٨) القوانين الفقهية ص٩٠، الفقه الاسلامی وادلته ١١٦، تفسير القرطبی ٢٥٧/٧، الموسوعة الفقهية ٢٢٠/٢٤ (١٩) سنن أبی داؤد، كتاب الصلوة، باب من لم يرفی السجود من المفصل (١٤٠٣) وضعفه الألبانی رحمه الله (٢٠) سنن النسائی ، كتاب الافتتاح، باب السجود فی ص(٩٥٧) وصححه الألبانی رحمه الله (٢١) صحيح البخاری ،أبواب سجود القرآن، باب سجدة ص(١٠٩٦)(٢٢) الموسوعة الفقهية ٢١٨/٢٤، المغنی لابن قدامة ٥٣٥/١(٢٣) سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب تفريع أبواب السجود (١٤٠١) وضعفه الألبانی (٢٤) المغنی لابن قدامة ٥٣٥/١(٢٥) فقه الحديث ٥١٥/١(٢٦) المغنی لابن قدامة ٥٣٧/١(٢٧) المغنی لابن قدامة ٥٣٧/١(٢٨)سنن أبی داؤد، كتاب سجود القرآن، باب ما يقول اذا سجد (١٤١٣) وصححه الألبانی(٢٩) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الدعاء فی صلاة الليل وقيامه (٧٧١) وفی رواية النسائی اللهم أنت ربی (١١٢٨) وصححه الألبانی(٣٠) سنن الترمذی، أبواب السفر، باب ما يقول فی سجود القرآن، (٥٧٩) وحسنه الألبانی– المستدرك للحاكم ٣٤١/١ (٧٩٩) وقال حديث صحيح وهو من شرط الصحيح ولم يخرجاه ووافقه الذهبی.(٣١) موسوعة القواعد الفقهية للامام ابی الحسن البغدادی ١٠١/٢، فقه السنة لسيد سابق ٣٦٩/١(مترجم اردو) (٣٢)تفصيل كے لئے ملاحظه ہو، المغنی لابن قدامة ٥٣٨/١–٥٤٠، الفقه الاسلامی وأدلته للاستاذ الدكتور وهبة الزحيلی ١١٨/٢–١٢٢– فقه الحديث ٥١٦/١–٥١٧– فتاوی اسلاميه ٤٢٨/١–٤٣٠– فقه السنة ٣٦٢/١

☆☆☆

اہل حدیث کمپلیکس اوراہل حدیث منزل کے دونوں تاریخی اور عظیم تعمیری کاموں کے سلسلہ میں

ایک اعلیٰ سطحی وفد اگلے ہفتے متعدد صوبوں کے دورے پر۔ ان شاءاللہ

احباب جماعت اور ہمدردانِ قوم وملت کو معلوم ہے کہ اہل حدیث کمپلیکس اوکھلائی دہلی اور اہل حدیث منزل جامع مسجد دہلی میں دوعظیم الشان تاریخی بلڈنگوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔اس سلسلہ میں الحمدللہ اہل حدیث کمپلیکس کے عظیم تعمیری پروجیکٹ کی دوسری منزل کی تسقیف (ڈھلائی) کا کام ہوا چاہتا ہے اوراہل حدیث منزل میں ترمیم وتعمیر کا کام تیسری منزل تک پہنچ چکاہے، جواللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق کے بعد محسنین جماعت وجمعیت کی سخاوت وفیاضی کے مرہون منت ہے۔مزید تعاون کے لیے احباب جماعت صوبائی جمعیات سے تنسیق کے بعد مساجد میں باضابطہ ومسلسل اعلان فرمائیں۔

عنقریب ہی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا ایک اعلیٰ سطحی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہورہا ہے۔اس عظیم اورتاریخی خیر کے کام میں اپنا بھرپور حصہ اور کردار ادا کر کے مشکور وماجور ہوں۔

نوٹ: اس سلسلہ میں متعلقہ صوبوں کے ذمہ داران واعیان کو اطلاع کردی گئی ہے۔

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind

A/c: 629201058685

ICICI Bank (Chandni Chowk Branch)

RTGS/NEFT IFSC Code-ICICI0006292

از: مطیع اللہ حقیق اللہ المدنی
مرکز التوحید نیپال

بموقع ۳۴ویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس

انسانیت کا تحفظ اور بقاء اور معاشرہ کی ذمہ داریاں

الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی عبداللہ ورسولہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد:

مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند دہلی کی چونتیسویں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا موضوع بہت اہم اور حالات حاضرہ کے تناظر میں بڑا حساس موضوع ہے۔ ذمہ داران مرکزی جمعیت ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

قرآن کریم کا مطالعہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ انسان نامی مخلوق کا آغاز اللہ تعالیٰ نے پہلے بشر آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے کیا اور انہیں سے ان کی زوجہ ''حوا'' علیہا السلام کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وخواتین کو پھیلا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متعدد خصائص وامتیازات سے نوازا۔ اور بنی آدم کی تکریم کی۔ خشکی وتری میں سواری اور طیب روزی عطا کی اور اپنی بہترین مخلوقات پر تفضّل وبرتری دی۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء ورسل کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتابیں اتاری اور ان کو شریعت اور دینی ودنیاوی زندگی گذارنے کا منہاج عطا کیا۔

جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:۲۵) دوسری جگہ ارشاد ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (المائدہ:۴۸)

تمام تر شرائع میں انسانیت کی بقاء اور تحفظ کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے انسانیت کی بقا اور تحفظ کا اصل معنی ومفہوم یہ ہے کہ افراد بشر کا دین محفوظ ہو اور دین تو دین اسلام ہے جو دین توحید ہے اس دین توحید کو شرک سے آلودہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہر فرد بشر پر اللہ تعالیٰ کا واجب حق ہے کہ اللہ کی تنہا عبادت کرے اور اس کے ساتھ غیر اللہ کو شریک نہ ٹھہرائے اور ساتھ ہی معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانوں کو شرک اور مظاہر شرک سے محفوظ رکھنے میں ہر طرح کا تعاون پیش کرے تاکہ توحید کا غلغلہ ہو اور شرک کا دروازہ بند رہے کہ انسانیت کی حقیقی حفاظت اور اس کی تکریم اسی میں مضمر ہے کہ وہ غیر اللہ کی پرستش نہ کرے اس کا سر کسی اور کے در پر نہ جھکے۔

انسانیت کی سب سے بڑی پامالی یہ ہے کہ وہ اپنے جیسے یا اپنے سے کم تر مخلوق کی عبادت کرے یہ انسانیت کی توہین اور اس کی رسوائی ہے کہ وہ مخلوق کی یا اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے اصنام واوثان کو الہ (معبود) بنا ڈالے۔

تحفظ وبقائے انسانیت کے درست مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انسان کی عقل، اس کے سوچنے، سمجھنے کی قوت، تفکر وتدبر کا ملکہ محفوظ رہے تاکہ وہ خیر وشر میں تمیز اور حسن وقبح میں تفریق کر سکے، اشیاء اور ان کے حقائق اور ان کے عواقب پر غور وتامل کر سکے۔ خیر اپنائے، شر سے اجتناب کرے، حسن اختیار کرے قبح سے دور رہے۔ عقل وشعور اور فہم وفقہ کا مالک بنا رہے تاکہ اشیاء واقوال واعمال اور اخلاق وعادات کے عواقب ونتائج پر غور وفکر کر سکے پھر کوئی قدم اٹھائے۔

اسی لئے تمام تر شرائع میں اور آخری شریعت میں خمر یعنی زوال عقل وفرد کا باعث بننے والے تمام اشیاء ماکولات ومشروبات ومطعومات ومشمومات وغیرہ کو حرام کیا گیا ہے۔

مقصد وحید ہے کہ انسانیت اپنے مقام بلند سے گر کر پامال وذلیل ورسوا نہ ہو۔ تحفظ انسانیت اسی میں پوشیدہ ہے کہ اس کا شعور اور اس کی عقل وخرد کی حفاظت ہو نتیجتاً کل انسانیت محفوظ ہو اور باقی رہے۔

تحفظ انسانیت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس کا مال محفوظ ہو اور کسی طور پر کسی کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ کسی کے مال پر کسی طور پر دست درازی کر سکے خواہ سرقہ کے طور پر یا غصب ونہب کے طور پر یا غش وخیانت اور فریب کے طور پر۔ انسان کا مال اس کی ملکیت ہے اسی پر قوام زندگی ہے لہٰذا مال کی حفاظت میں انسانیت کی بقاء اور اس کا تحفظ ہے۔

یہ بات ہر عاقل جان سکتا ہے کہ دنیا میں بدامنی، فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری کا ایک بڑا سبب مال کا چھین جھپٹ اور لوٹ کھسوٹ اور اس کی اشکال وصور ہیں۔ بدیہی نتیجہ ہے کہ مال کا تحفظ ضروری ہے کہ انسانیت کا امن اس سے وابستہ ہے۔

اس لئے اسلامی شریعت نے چوری، ڈکیتی، خیانت، فریب دھوکہ دھڑی، رشوت، سود اور اس کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے کہ مال محفوظ ہوتا کہ انسانیت کا تحفظ ہو۔

تحفظ انسانیت کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کی عزت محفوظ ہو، یہ بات فطرت سلیمہ میں داخل ہے کہ انسان اپنا عرض وآبرو محفوظ رکھتا ہے اور بہر صورت محفوظ دیکھنا چاہتا ہے۔ عصمت وآبرو کی بقاء وحفاظت میں انسان کی تکریم ہے ورنہ بے آبرو انسان دو کوڑی کا ہوتا ہے۔ لہٰذا حفاظت آبرو میں تحفظ انسانیت کا راز پوشیدہ ہے۔ آج بھی اس دور فساد میں قتل کے بہتیرے واقعات کی تہ میں عصمت وآبرو پر دست درازی کے معاملات ہوتے ہیں۔

عصمت وآبرو کا تحفظ بے حد اہم ہے اسی کی حفاظت کی خاطر اسلامی شریعت نے قواعد وضوابط اور متعدد اصول ومبادی وضع کئے ہیں تاکہ ہر انسان کی عصمت وآبرو محفوظ رہے اور کسی طور پر اس کی پامالی اور بے حرمتی نہ ہونے پائے۔

زنا کو اور اس کے مقدمات اور ذرائع کو حرام کیا گیا ایک امور واحکام کو واجب قرار دیا گیا تاکہ آبرو کا تحفظ ہو، کہ تحفظ آبرو میں انسانیت کا تحفظ اور اس کی بقاء کی ضمانت ہے بصورت دیگر انسانیت اور اس کی بقاء کی ضمانت نہیں لی جا سکتی ہے آج انسانیت بدامنی سے دوچار ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کا ایک طبقہ بہیمیت کا شکار ہے۔ دوسروں کی آبرو سے کھلواڑ کرنا ہی اس کا شغل شاغل بن چکا ہے اس لئے بدامنی اور فساد کا دور دورہ ہے۔ خود ان بہائم صفت انسانوں میں انتقام کی کارروائیوں کا ایک سلسلہ قائم ہوتا ہے۔

اسی طرح تحفظ وبقاء انسانیت کے مفہوم میں یہ امر بدیہی طور پر داخل ہے کہ اس کی جان محفوظ ہو۔ ہر شخص کی فطرت میں یہ امر ودیعت ہے کہ وہ امن وسلامتی کی زندگی

جیتا رہے۔کوئی بھی اس کی جان نہ لے اوراس کو موت کی نیند نہ سلائے۔ ہر انسان نہ اپنی، بلکہ اپنے خویش واقارب، اپنے اہل وعیال کی جان کی سلامتی کا خواہاں رہتا ہے۔اسی لئے تمام شرائع میں قتل ناحق کوحرام قرار دیا گیا۔

انسان کا تحفظ اوراس کی جانی بقاء کواس قدر اہم بتایا گیا کہ جب اس دنیا میں پہلا قتل کا وقوعہ پیش آیا۔جس کا مختصراً ذکر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں نے قربانی پیش کی۔ایک کی قربانی قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قربانی نہیں قبول کی گئی۔جس کی قربانی مقبول نہ ہوئی۔اس نے اپنے اس بھائی سے جس کی قربانی قبولیت سے مشرف ہو چکی تھی۔ کہا کہ میں تمہیں یقیناً قتل کر دوں گا اس نے کہا کہ اللہ تو متقیوں سے قبول کرتا ہے۔

بہر حال اس کے نفس نے اس کے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر ہی دیا اس نے اس کو قتل کر ہی ڈالا اور یوں ہمیشہ کے لئے ٹوٹا پانے والوں میں سے ہو گیا۔

تاریخی بات ہے کہ یہ پہلا انسانی قتل تھا کہ پہلی بار ایک بھائی نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔اور مستحق خسارہ قرار پایا۔

ہمارے نبی ﷺ کی حدیث میں اس قاتل کے گناہ اوراس کی شدت کو کچھ یوں بیان کیا ہے کہ دنیا میں تا قیامت جس قدر قتل ناحق ہوں گے اس کا ایک حصہ گناہ اس اولین قاتل پر ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے:لا تقتل نفس ظلما الا کان علی ابن آدم الاول کفل من دمها لأنه کان أول من سن القتل (رواہ مسلم)

جو بھی قتل ظلماً ہوتا ہے اس کے خون ناحق کا ایک بوجھ آدم کے اس پہلے بیٹے پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے، قتل کا طریق اختیار کیا اور یہ کام کیا ہے۔

قتل ناحق کی شدت وقباحت اوراس کی ہولنا کی اور ساتھ ہی انسانیت کی حفاظت اور زندگی کی بقاء ومحصنات کی اہمیت اس کی قدر وقیمت کو یوں واضح کیا گیا ہے۔قرآن کی آیت ہے جس میں یہ واضح بھی کیا گیا کہ قتل ناحق کی شدت اوراس کی حرمت، قباحت وشناعت کی وجہ سے بنی اسرائیل کے اوپر یہ ہدایت اللہ نے لکھ دی کہ قتل ناحق قتل انسانیت ہے اور انسان واحد کا تحفظ پوری انسانیت کا تحفظ ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاهَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ (المائدہ:۳۲)

تحفظ انسانیت اور بقاء بشریت کا معنی یہ بھی ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان اپنے حقوق حاصل کریں اور وہ حقوق جوان پر ہیں انھیں ادا کریں۔انھیں حقوق باہمی کی ادائیگی تحفظ انسانیت کا ضامن ہے۔ ادائیگی حقوق میں جس قدر خلل اور نقص ہوگا۔اسی قدر انسانیت اور انسانی گروہ غیر محفوظ ہوگا۔معاشرہ میں فساد اور بدامنی کا چلن عام ہوگا۔اور جامع انداز میں یہ کہنا بالکل مناسب ہی نہیں واجب ہے کہ تحفظ انسانیت اوراس کی بقاء بلکہ امن عالم صرف ایسے قوانین وضوابط پر عمل پیرائی میں ہے جن میں اس امر کی ضمانت موجود ہے کہ ان کی روشنی میں ہی انسانی معاشرہ من کل الوجوہ ومن جمیع التوابع محفوظ وماموں ہوگا اور کامل سلامتی سے کامیاب وکامراں ہوگا۔ یہ اللہ کی مکرم ومفضل مخلوق انسان تمام سعادتوں سے اسی وقت مشرف ہوگا جب وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کی روشنی میں زندگی گذارے گا۔اور وہ شریعت کاملہ ہے جس کو اللہ نے خاتم النبیین ﷺ پر اتارا ہے۔جس میں ضروریات خمسہ کے تحفظ کی بات ہے اور تمام فطری وشرعی حقوق کی بات ہے۔

اسی شریعت کاملہ مطہرہ پر عمل پیرا ہو کر انسانیت کا تحفظ ہوگا اور تمام عالم میں امن کامل ہوگا۔موجودہ دور ''امن عالم'' کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ کے طور پر سامنے آیا اس موضوع پر عالمی سطح پر متعدد کانفرنسوں کا انعقاد ہوا، سینکڑوں سیمینار وسمپوزیم منعقد ہوئے غرضیکہ چھوٹے بڑے ہزاروں جلسوں کا اہتمام ہوا۔

''امن عالم'' کا موضوع اپنی جگہ پر بے حد اہم اور حساس بھی، یقیناً ضرورت اس امر کی شدید ترین ہے کہ پورے عالم کو گہوارۂ امن وسلامتی بنایا جائے تاکہ انسانیت بلکہ پوری کائنات سلامت رہے۔نہ کوئی فرد بشر خوف وہراس کے سائے میں زندگی گذارے،نہ ہی ناحق ان کی جانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

دنیا کی تاریخ، محفوظ تاریخ،صادق تاریخ، کذب اور دروغ باقی سے خالی تاریخ کا خلاصہ ہے اقوام عالم اور پچھلی امتوں میں دو طرح کے لوگ رہے ہیں۔ایک کافر، مشرک طاغی وباغی اور سرکش لوگ جنہوں نے سماج میں کبھی خوف ودہشت پھیلا رکھا تھا۔وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ کے نمونہ تھے۔ان کی باغیانہ ومفسدانہ کاروائیوں سے سماج کراہ رہا تھا۔بلکہ حد یہ تھی کہ اس طاغی وجبار طبقہ نے کبھی تو اپنی بے حیائی سے ہم جنسی کی عملی روش اپنائی اور ایسی بے حیائی اور فاحشہ کا ارتکاب کیا کہ اس کی نظیر اس سے قبل عالم میں نہ گذری تھی۔تو کبھی ناپ وتول میں کمی وبیشی کا ایسا بازار گرم کیا کہ معیشت کا نظام تلپٹ کر دیا۔اور سماج کو بے اطمینانی،خوف وہراس اور بدامنی سے بھر دیا۔مفسدانہ عمل سے سماج کراہ اٹھا۔کبھی اسی گروہ کے مجرمین نے اللہ واحد کی عبادت میں متعدد مخلوق، اوثان واصنام کو شرکاء بنا ڈالا اور ظلم عظیم کا ارتکاب کیا اس سے سماج میں مظالم ومفاسد کا دور دورہ ہوا کبھی طبقہ جبارین وطغاۃ نے کسی قوم کو اپنا غلام بنا ڈالا، خود ربوبیت کا دعویٰ کر بیٹھا۔پھر تو ظلم وجور اور قہر وستم کی ایسی آندھی چلی کہ اس سرکش وجبار گروہ نے ایک قوم کے ابناء کو قتل کرنا اور ان کی خواتین کو زندہ رکھنا شروع کیا۔تعذیب کا بدترین نمونہ تھا۔یوں انسانی سماج میں خوف وبدامنی کا عفریت ننگا ناچ ناچتا تھا۔ایک قوم یہود کی جامع تاریخ قرآن میں محفوظ ہے۔اس قوم کی سرشت اوراس کی بدکرداریوں کا جامع بیان موجود ہے۔قدم قدم پر رب کی نافرمانی، اپنی من مانی، معاصی کی کوئی نوع باقی نہ چھوڑا اس قوم نے،مگر اس معصیت کا ارتکاب کر ہی ڈالا۔بچھڑا پرستی، قتل اولیاء اللہ بلکہ قتل انبیاء کا جرم کیا۔ربا اور دیگر گناہ میں طاق رہی ہے قوم یہود۔ان کے سیاہ جرائم کا ریکارڈ قرآن کریم میں ملاحظہ کیا جائے۔یوں یہ قوم یہود سماج کے لئے ایک تباہی کا عنوان بنی رہی۔

دوسری مشہور قوم نصاریٰ رہی ہے جن کی اغلبیت بلکہ کلی جہل کا شکار قوم رہی جس نے ابن مریم کی شان میں وہ غلو آمیزی کی کہ عیسیٰ بن مریم کو''اللہ''اللہ کا بیٹا اور تین الہ میں کا تیسرا اللہ بنا ڈالا اور پوری نصرانیت اس شرک میں گرفتار ہو گئی۔جہل اور بے بصیرتی کی بنا پر ضلالت کا شکار ہو کر ہر برائی کو گلے سے لگا لیا اور تاریخ میں اس کے مجرمانہ ومفسدانہ جرائم کا ریکارڈ محفوظ ہے۔نصرانیوں میں حقد وکینہ بھی ایسا پایا گیا کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ جوئی کی راہ اپنائی جس کا بڑا طویل سلسلہ ہے جنھیں صلیبی جنگ کہا جاتا ہے۔انہوں نے ہمیشہ قوموں کو تاخت وتاراج کیا۔

جنگ عظیم اول ودوم کی کہانی کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد ۱۹۴۵ء میں ''اقوام متحدہ'' نامی عالمی تنظیم قائم ہوئی۔ جس کا ظاہری منشور معلوم ومعروف ہے۔اس کے مقاصد میں سے یہ باتیں تھیں۔

۱۔ بین الاقوامی اورنسلوں کی جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانا۔

۲۔قدیم وجدید مسائل کوگفت وشنید سے حل کرنا۔تاکہ عالمی امن وانصاف پر کوئی آنچ نہ آنے پائے وغیرہ

اسی کے بعدامن عالم کی باتوں کا ذکروتذکرہ کچھ زیادہ ہوتا رہا۔اس اقوام متحدہ کے قیام سے دنیا کی اقوام کوکیا فائدہ کیا نقصان حاصل ہوا۔وہ الگ کہانی ہے لیکن دردناک کہانی یہ ہے کہ فلسطین میں یہودی قوم کی حکومت اسرائیل کے نام سے وجود میں آئی۔اورقوم مسلم پرایک کے بعدمتعدد بحرانوں کا سامنا ہوتا رہا۔

عالم میں فسادوغارت گری کا سبب کیا ہے؟اس سلسلے میں سوچے سمجھے اسکیم کے تحت مختلف ممالک میں بحران پیدا کرکے اورمفسدانہ کارروائیاں انجام دیکر یا دلواکر یہودونصاری اوردیگر ملاحدہ عالم اوروثن پرستوں نے یہ شوشہ اتنے وسیع اورمنظّم انداز میں چھوڑا کہ الامان والحفیظ کہ فساد عالم کے ذمہ دارمسلمان ہیں اوراسلام دین ایک دہشت گرددین ہے۔

یہی مختصر پس منظر ہے جس میں دیگراقوام توامن عالم میں کیوں کیسے پر کانفرنسیں کرتی ہیں۔مسلمانوں نے اپنی بساط کے مطابق اسلام اورمسلمانوں پر لگے اس داغ کودھونے کے لئے کانفرنسوں اورسیمیناروں کا انعقادکیا اوردلائل کی روشنی میں ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ یہ داغ جنھیں اسلام پرزبردستی لگایا جارہاہے۔اسلام توامن کادین ہےاوردہشت گردی اورفسادوغارت سےاس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

''طاقتورچورسیندھ میں کھنکارتا ہے'' مثل کے مطابق۔یہودونصاری اوردیگر مشرکین وملحدین یہ راگ عالمی میڈیا میں الاپتے رہے کل بھی اورآج بھی اورکل آئندہ بھی کہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے۔اورضعیف مسلمان پوری صداقت کے ساتھ دلائل وبراہین کے ساتھ اس الزام کی تردیدکرتا رہاہےاورکررہاہےاورکل آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ہم میں صداقت ہے۔مگرجرأت وقوت اورجسارت کی کمی ہےاوراس کمی کی وجوہات ہیں۔ماضی وحال کی تاریخی حقائق کوہم جرات وقوت کے ساتھ نہیں پیش کرپاتے ہیں کہ دہشت گردی ماضی وحال اورمستقبل میں بھی یہودونصاری اورزنادقہ وملحدین اوراہل شرک کا شیوہ ایک مسلمہ ہے۔اس لئے امن عالم کا تصوربھی اسلام کے بغیر درست نہیں ہےاوراسلام ہی واحددین ومذہب ہے جوامن عالم کا داعی ومنادہے اگرعالم کوحقیقی امن وسلامتی چاہیےتواہل عالم کودامن اسلام میں آنا ہوگا۔

جن وقائع وحوادث دہشت گردی سے وہ اسلام پر الزام ترشی کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں ان کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ بسااوقات ایسے طوائف وجماعات اورایسی تنظیمات کی جانب سے انجام دیئے جاتے ہیں جن کواسلام کی جانب نسبت حاصل ہے ان کے متعلق لوگوں کو کچھ زیادہ معلومات نہیں ہوتی ہے۔یا وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں تاکہ اسلام کوبدنام کیا جاسکے۔ دنیا کویہ بتانے کی سخت حاجت ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعتقادومنہج میں زیغ وانحراف ہے جوخروج وبغاوت والے لوگ ہیں وہ اپنے علاوہ اوروں کی بلاحجت وبرہان تکفیر کے قائل ہیں اورخوارج کی صفات میں ایک نمایاں صفت یہ بھی ہے کہ وہ اہل اسلام کوقتل کرتے ہیں اوراہل اوثان کوچھوڑے رکھتے ہیں: مختلف تنظیمات کا یہی حال ہے وہ اسلامی شعارکا نام لے کرمشبوہ حرکات اورغیرشرعی اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں یوں اسلام کے صاف وشفاف چہرہ کوداغدارکرتے ہیں یوں اسلام کوبدنام کیا جاتا ہے۔

دشمن کوان باتوں کا نہ کوئی لحاظ ہے نہ پاس وہ تواسلام پردہشت گردی کا لیبل لگانے کا بہانہ ڈھونڈھتا ہے۔

ہمارے اس دورمیں اس امرکوواضح کرنے کی سخت ضرورت ہے کہ اسلام وہ ہے جوکتاب وسنت سے ماخوذ ہےاورکتاب وسنت میں اوران کی تعلیمات میں پوری انسانیت کے تحفظ وبقاء کے سنہرے اصول ہیں۔ بدامنی کی جڑوں کوکاٹنے کے قواعد ہیں اورپورے عالم کی سلامتی کے جامع اصول ہیں۔اسلام دین رحمت ہے۔رسول اسلام کا نمایاں وصف رحمۃ للعالمین ہے۔

پوری انسانی سوسائٹی کی ذمہ داری ہے وہ ایسے قواعدواصول کی پاسداری کرے جوانسانیت کی بقاءوسلامتی اورتحفظ کی ضمانت دیتے ہیں۔

سماج کے ہرطبقہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عام انسانوں کے بلاتفریق مذہب وملت کے تحفظ کا خیال رکھے اوران جامع اصول پرعمل پیرا ہوجوبقاء انسانیت کے ضامن ہیں کسی مذہب کے ماننے والوں پر بلاثبوت دہشت گردی اورفسادکا الزام نہ لگایا جائے۔حق یہ ہے کہ مذہب کے مصادروماخذ کی روشنی میں سمجھا جائے۔ مذہب کواس کے کسی ماننے والے میں مفسدانہ ودہشت گردانہ کارروائی کا ثبوت ہونا چاہیے۔ثبوت کی روشنی میں اس کوقرارواقعی سزادی جائے ان حدودوتعزیرات کا بیان موجودبھی ہے۔لیکن کسی فردکی خطاوغلطی کواس کے مذہب سے نہ جوڑا جائے۔

انسانی معاشرہ کے طبقہ حکام کی ذمہ داری یہ ہے کہ تحفظ انسانیت کی فکرکریں اوران کی کاوشیں مخلصانہ ہوں۔

طبقہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ حق وصداقت اورعدل سے کام لیں اورسماج کی رہنمائی کریں اوراخلاقیات کا وہ درس سکھلائیں کہ جن کواپنا کرمعاشرہ میں قتل وفساد کو روکا جائے اورانسانیت کے تحفظ وبقاء کویقینی بنایا جائے۔

معاشرے کے عام انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانیت کا احترام کریں۔ انسانی زندگیوں کے ساتھ کھلواڑ نہ کریں۔اپنی اوراپنی اولاداوردیگرخویش واقارب کی زندگی کومحبوب رکھنے کے ساتھ اوروں کی زندگی اوربقاء کومحبوب جانیں۔

درحقیقت نفس انسانی میں یہ بات ودیعت کی گئی۔وہ چاہتا ہے کہ وہ زندہ سلامت رہے دوسروں کی سلامتی اوربقاء کا داعیہ بھی اس میں موجود ہے۔یہی دین فطرت ہے۔

یہ شیطانی اغواء واضلال اورنفسانی خواہشات کی غلط طریق پر تکمیل کے اسباب وعوامل ہیں کہ انسان کسی کی جان لینے کے درپے ہوجاتا ہے بلکہ بسااوقات خودکشی کا ارتکاب کرلیتا ہے توبسااوقات قتل اولادوازواج کا گناہ کربیٹھتا ہے۔

یہ بات واضح ہوکہ اسلام میں قتل اولاد،قتل انسان اورقتل نفس غرضیکہ قتل ناحق کی تمام صورتیں حرام ہیں۔

اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ تحفظ انسانیت کی اسلام میں بہت اہمیت ہے کہ انسانوں کی بقاء سے ہی عالم گہوارہ امن وسلامتی ہوگا۔وصلی اللہ علی النبی وسلم

☆☆☆

رہنمائے تعلیم:

ڈاکٹر ابوالحیات اشرف، ایڈیٹر دی سمپل ٹروتھ، دہلی

موبائل: 9810699121

کاش مسلمانوں میں بھی یہ تعلیمی جذبہ پیدا ہو

انسان علم کی بدولت دوسری مخلوقات پر امتیازی فضیلت رکھتا ہے۔علم ہی افراد اور قوموں کی سربلندی کی کلید ہے۔ سیاسی، سماجی، انتظامی اور معاشی ترقی علم ہی کی دین ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں شراکت، عصری علوم میں مہارت اور پروفیشنل کورسز میں قابلیت دور حاضر کی ضرورت ہے جن میں ملت کی حصہ داری ضروری ہے۔ تعلیم کے حصول سے ہی ملک وملت اور سماج کی ترقی ممکن ہے اور تعلیم سے ہی ملت کی ترجمانی کی راہ کھلتی ہے۔ تعلیم کسی بھی ملک وقوم کے لیے موت وزندگی کا مسئلہ ہے۔ تعلیم کی برکت سے ملک وملت اور انسانیت کی رہبری کا ہنر آتا ہے۔ دنیا وآخرت کی کامیابی بھی تعلیم کے حصول پر منحصر ہے۔ تعلیم سے غفلت قوموں کے زوال کا اہم سبب ہے۔ قوم کے بچے اور بچیاں ملت کی امانت اور ملک کا مستقبل ہیں۔ ان کی تعلیم سے بے اعتنائی برتنا انتہائی درجہ کی بے ایمانی ہے۔

آج وقت کے ساتھ تعلیم کا نظام تبدیل ہو چکا ہے۔ اس لیے ہمیں آج کے حالات سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ عصری تعلیم وتربیت حاصل کرتے وقت کمپیوٹر کی تعلیم ناگزیر ہوگئی ہے۔ جو لوگ علم سے محروم اور عصر حاضر میں رائج تعلیم سے بے بہرہ ہیں وہ دنیا کی نظر میں حقیر اور بے توقیر تصور کیے جاتے ہیں۔

تعلیم صرف غوغائے علم کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک واضح اور فیصلہ کن راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے انسان کامیابی اور خوشحالی کو گلے لگاتا ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ "تم جو کچھ جانتے ہو دوسروں کو سکھاؤ اور جو نہیں جانتے ہو وہ دوسروں سے سیکھو"۔ اس لیے تعلیم کے معاملہ میں مسلمانوں کو بہت ہی حساس ہونا چاہیے اور دھیان رکھنا چاہیے کہ قوم کا کوئی بھی بچہ تعلیم کے فیوض سے پیچھے نہ رہ جائے۔ چونکہ علمی میدان میں تفوق اور برتری سماج کی بہتر تشکیل کے لیے ضروری ہے اس لیے مسلم نوجوانوں کے اندر محنت، لگن اور عزم واستقلال کے اوصاف پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی ذہانت اور صلاحیتیں بہت قیمتی ہیں۔ ان صلاحیتوں کو پروان چڑھانا، ان کی نشوونما کرنا، مہارت کے علوم میں ان کی رہنمائی کرنا وقت کا تقاضا ہے تاکہ وہ دوسری قوموں اور طبقوں کے شانہ بشانہ چل سکیں اور اپنے مستقبل کا ہدف خود طے کرسکیں۔ اس سے وہ نہ صرف اپنی بلکہ ملک وقوم کی فلاح و بہبود اور ترقی میں اہم رول ادا کرسکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مسلم سماج میں تعلیمی ذوق پیدا کرنے اور تعلیمی مزاج بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

امریکہ کے سابق صدر براک حسین اُباما ایک غریب و پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ محرومی اور بے کسی کے پالنے میں پلے بڑھے تھے۔ مال وزر کی کثرت سے ناآشنا تھے مگر اپنی تعلیم، محنت، لگن، جاں گداز جدوجہد اور عزم واستقلال کے بل بوتے پر دنیا میں اپنا نام روشن کر گئے۔ ایک اسٹوڈنٹ لیڈر کی حیثیت سے سیاسی سفر کر کے وائٹ ہاؤس تک پہنچے اور اپنی قابلیت، صلاحیت اور سوجھ بوجھ کا لوہا دنیا سے منوایا اور امریکہ کے ایک کامیاب صدر ثابت ہوئے۔

حالیہ دنوں میں اسی طرح کا جوش، لگن، جاں گداز کوشش، محروم طبقہ کی تعلیمی فلاح کا جذبہ، سماج کے کمزور طلباء کی خیر خواہی اور انہیں سماج میں عزت ووقار دلانے کا دھن پٹنہ کے ایک پاپڑ بیچنے والے آنند کمار کو ہوا۔ آنند کمار کی کہانی دلچسپ اور سبق آموز ہے۔ کاش ہم ملت کے خیر خواہان، ان کے تجربہ سے فائدہ اٹھاتے۔ آنند کمار گھریلو حالات اور تعلیمی رہنمائی کے فقدان سے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔ جبکہ انہیں اسکول کے زمانہ سے ہی میتھ میٹکس (ریاضی) میں کمال حاصل تھا۔ ان کا داخلہ کیمبرج یونیورسٹی میں ہو چکا تھا مگر والد کے گذر جانے سے تعلیم کا سلسلہ رُک گیا جو ایک ڈاکخانہ میں کلرک کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ معاشی تنگی، گھریلو مسائل اور غربت کی زندگی سے آنند کمار کا مستقبل تاریک ہو چلا تھا مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ ان کا بیان ہے کہ ان کی ماں پاپڑ بناتی تھیں اور میں گلی کوچوں میں گھوم پھر کر ان کو فروخت کرتا تھا اور روٹی روزی کا انتظام کرتا تھا۔ شام ٹیوشن پڑھانے میں گذرتے جس سے مالی ضروریات کی تکمیل ہونے لگی تھی۔ آنند کمار غربت میں پلے بڑھے تھے۔ مالی دشواریوں کا سامنا کیا تھا۔ حصول تعلیم کی بے پناہ خواہش کے باوجود اس سے محروم رہ گئے تھے۔ اپنے لیے جو خواب دیکھا تھا وہ پورا نہیں ہوسکا۔ اپنی زندگی کا جو ہدف بنایا تھا وہ چکنا چور ہوگیا۔ مگر وہ اپنے دُھن کے پکے تھے اور سوچتے تھے کہ میں خود اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرسکا لیکن اگر حالات سازگار ہوئے اور وسائل کی فراہمی میں دشواری نہیں آئی تو میں سماج کے محروم اور نامساعد حالات سے گذر رہے طلباء کے اعلیٰ تعلیم کے لیے راہ عمل بناؤں گا۔ غریب طلباء کے تئیں ہمدردی اور تعلیم سے محروم طلباء کے لیے نرم دلی ان کی فطرت تھی۔ وہ پٹنہ کے چاند پور بیلا علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے پہلے ٹیوشن پڑھانا شروع کیا۔ خود بھی اپنی مدد آپ سے گریجویشن کرلیا

اور 2002 میں 1977 بیچ کے ابھے آنند (آئی پی آفیسر) کے ساتھ مل کر سوپر 30 (Super 30) کوچنگ سینٹر قائم کیا۔ 2003 میں سماج کے مالی طور پر کمزور 30 طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم کی کوچنگ کے لیے منتخب کیا۔ اور آئی۔ آئی۔ ٹی (انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی) کے لیے جوائنٹ انٹرنس اکزام (جے۔ ای۔ اِی) کی مفت کوچنگ کا انتظام کیا۔ ان کی فری کوچنگ سینٹر کا نام ''سُوپر تھرٹی'' تھا۔ انہوں نے غریب طلباء کی تعلیمی رہنمائی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ ان کے شب و روز اسی دُھن میں گذرتے کہ ان کی کوچنگ کے سبھی 30 طلباء آئی آئی ٹی کے داخلہ ٹیسٹ میں کامیاب ہوکر داخلہ کے مستحق ہو جائیں۔ سبھوں نے ان کی محنت، لگن، بے لوث خدمت اور غریب و ذہین طلباء کی تعلیم کے تحت بیداری کی قدر کی پہلے ہی سال 2003 میں ان کے ''سُو پر تھرٹی'' کوچنگ سینٹر کے تیس طلباء میں سے اٹھارہ نے آئی آئی ٹی کا انٹرینس ٹیسٹ پاس کر کے داخلہ پانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس سینٹر کی شہرت سے اُمیدواروں کی تعداد بڑھنے لگی چنانچہ طلباء کی صلاحیت، قابلیت اور ذہانت کا اندازہ کرنے کے لیے تحریری امتحان کا آغاز کیا۔ 2004 میں آئی آئی ٹی داخلہ ٹیسٹ میں ''سُوپر تھرٹی'' کے کامیاب طلباء کی تعداد بڑھ کر 22، 2005 میں 26، 2006 میں 28 اور 2007 میں بھی 28 تک پہنچ گئی۔ بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ہر کامیاب طالب علم کو پانچ پانچ ہزار روپے نقد انعامات دیئے۔ آنند کمار کا خواب 2008 میں پورا ہوگیا اور ''سُو پر تھرٹی'' سینٹر کے تمام 30 طلباء آئی آئی ٹی میں داخلہ کے مستحق قرار پائے۔ یہ صد فی صد کامیابی 2009 اور 2010 میں بھی جاری رہی اور آئی آئی ٹی کے داخلہ ٹیسٹ میں کامیاب ہوکر اعلیٰ تعلیم کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔ آنند کمار کے مفت کوچنگ سینٹر سے 2002 سے 2017 تک 450 طلباء میں سے 391 نے آئی آئی ٹی کا داخلہ ٹیسٹ پاس کیا جو یقیناً ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ آنند کمار نے اپنے ''سُو پر تھرٹی'' کوچنگ سینٹر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے نہ حکومت سے اور نہ ہی کسی تعلیمی ادارے یا کسی فلاحی این جی اُوز (NGOs) سے مالی تعاون حاصل کیا۔ ان کے تمام اخراجات پورے کرنے کے لیے انہوں نے رامانجن اسکول آف میتھ میٹکس کھولی تھی یہاں کے طلباء سے فیس لی جاتی اور اسی آمدنی سے ''سُو پر تھرٹی'' کے کمزور محروم اور سماج کے غریب طلباء کے لیے بورڈنگ اخراجات، قیام و طعام، اسٹیشنری اور دوسرے مصارف و سہولیات فراہم کیا جاتا رہا۔ ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''سُو پر تھرٹی'' کوچنگ سینٹر ''راما نجن اسکول آف میتھ میٹکس'' کے زیر انتظام ادارہ ہے۔

2008 میں کوچنگ سینٹر کے تمام 30 طلباء کی شاندار کامیابی کے بعد ابھے آنند ''سوپر تھرٹی'' سے یہ کہہ کر الگ ہوگئے کہ ''تجربہ کامیاب رہا'' اور اسی شہر میں مولانا رحمانی کے شریک کار ہوگئے جنہوں نے 2008 میں ہی ''رحمانی تھرٹی'' کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہاں نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ آنند کمار کا ''سوپر تھرٹی'' کوچنگ سینٹر 2002 میں قائم ہوا جبکہ ''رحمانی 30'' کا قیام 2008 میں عمل میں آیا۔

آنند کمار کے ''سوپر تھرٹی'' کی اہم خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طلباء کی شاندار کامیابی پر کسی گھمنڈ کا اظہار نہیں کیا۔ اپنی خاکساری، گفتگو، چال ڈھال، رہن سہن اور سماجی روابط میں فرق نہیں آنے دیا۔ طلباء کے قیام و طعام کا انتظام سینٹر میں ہی رکھا۔ سال کے سات مہینے کی انتھک کوچنگ کے لیے کرایہ کا کمرہ استعمال کیا۔ غریب و نادار، بے کس و مجبور طلباء کے مستقبل کو تابناک بنانے میں دل و جان سے محنت کی اسے خدمت خلق کا درجہ دیا۔ انجینئرنگ اور میتھ میٹکس کے میدانوں میں انقلابی تبدیلی کی راہ ہموار کی۔ غریب و محروم طلباء کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فلاح و نجاح کے دروازے کھول دیئے۔ اس طرح ''سوپر تھرٹی'' کی کوششیں رنگ لائیں اور اس کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے ماہرین تعلیم کی نظروں میں آگئیں۔ چنانچہ مارچ 2009 میں ڈسکوری چینل Discovery Channel نے اپنے ایک گھنٹہ کی ڈکومینٹری فلم ''سوپر تھرٹی'' میں سماج کے کمزور و غریب طبقات کے لیے آنند کمار کی خدمات کو نمایاں کیا اور سراہا۔ نیویارک ٹائمز نے اپنے نصف صفحہ پر کوچنگ سینٹر کی تعریف کی تھی۔ بی بی سی نے بھی اس خدمت پر خوشی و اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ آنند کمار کو علم ریاضی میں مہارت حاصل تھی اس سے استفادہ کے لیے اُنہیں ہارورڈ یونیورسٹی اور ماساچوسٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں لکچر کے لیے مدعو کیا گیا۔ غریبوں کو آئی آئی ٹی کوچنگ کرانے اور داخلہ ٹیسٹ پاس کرانے کے لیے لمکا بک آف ریکارڈ (2009) میں نام درج ہوا۔ امریکہ کا مشہور ٹائم میگزین بھی 2010 کی اپنی ایک اشاعت میں ''سوپر تھرٹی'' کی خدمات کو سراہا۔ امریکہ کے ہی ''نیوز ویک'' میگزین نے اس ماہر ریاضی کی تعلیمی و فلاحی خدمات والے کوچنگ سینٹر کو دنیا کے چار نو ایجاد اسکولوں میں شامل کرلیا۔ امریکہ کے سابق صدر براک حسین اُوباما نے اپنے ایلچی راشد حسین کے ذریعہ ان کے کام کی تحسین کی اور ہندوستان کے سب سے اچھے تعلیمی اداروں میں سے ایک بتایا۔ بہار حکومت نے نومبر 2010 میں ''مولانا ابوالکلام آزاد شکچھا پُرسکار'' سے آنند کمار کو نوازا۔ آنند کمار نے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ احمد آباد، یونیورسٹی آف برٹش کولمبیا، ٹوکیو یونیورسٹی اور اسٹین فورڈ یونیورسٹی میں اپنے تجربات کو لکچر کی شکل میں پیش کیا۔ برطانیہ کے مونکل Monocle میگزین نے دنیا کے بیس (20) رہنما اساتذہ میں آنند کمار کو شامل کیا۔ کناڈا اور برٹش کولمبیا کی حکومتوں نے انہیں اعزاز سے نوازا۔ انہیں رامانوجن میتھ میٹکس ایوارڈ، راج کوٹ کے آٹھویں نیشنل میتھ میٹکس کونشن میں پیش کیا گیا۔ انہیں کرپاگم یونیورسٹی، کوئمبتور نے ڈاکٹریٹ آف سائنس کی اعزازی ڈگری سے نوازا اور جرمنی کی وزارت تعلیم سکسونی Saxony نے بھی اعزاز سے نوازا تھا۔

آنند کمار کی کامیابی کے تناظر میں ہم خیر خواہان ملت اپنے احوال وکوائف پر نگاہ ڈالیں کہ کیا ہم بھی کچھ کرسکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ کیا ہم بھی سماج سے کچھ لینے کے بجائے کچھ دینے کی پوزیشن میں نہیں آسکتے؟ ملک عزیز میں جمہوریت اور سیکولرزم ایسی نعمتیں ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ جمہوریت ایسا نظام حکومت ہے جس میں سب شہریوں کو اپنا حق اور حصہ پانے اور لینے کا اختیار اور دوسروں کے شانہ بشانہ چلنے کا حق حاصل ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم کی نعمت سے مالا مال ہوا جائے۔ تعلیم کا نور ہر کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اگر اس کا شوق ہو اس کے لیے پختہ عزم کیا جائے اور اسے حاصل کرنے کے لیے عملی قدم اٹھایا جائے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کا عہد ایک کار خیر اور نیک جذبہ ثابت ہوگا مگر اس راہ میں اپنی خدمات پیش کرنے والوں کو طویل المدتی منصوبہ بنانا ہوگا۔ اس کے لیے گاؤں، محلّہ، تعلقہ، ضلع اور ریاستی سطح پر جنرل ایجوکیشن کمیٹیاں، یا انجمنیں بنانی ہوں گی۔ مسلم سماج کا ہر فرد جو جہاں ہے اپنی محدود حد تک اس کے لیے کوشش کرے۔ محلّہ کے گھر گھر جا کر گاؤں وقصبات میں گھوم گھوم کر ان بچوں کے نام رجسٹر کرلیں جو کسی اسکول یا مدرسہ میں نہیں جاتے۔ ان بچوں کو جو 6-5 سال کے ہوچکے ہیں اسکول، مکتب یا مدرسہ میں داخل کروادیں۔ اس کے لیے خانگی مکتب کا بھی سہارا لیا جاسکتا ہے۔ والدین یا گارجین کو افہام وتفہیم کے ذریعہ راضی کرنا ہوگا کہ وہ بچوں کو کوئی ہنر سکھانے اور کمائی کرنے کے بجائے تعلیم کی طرف توجہ دلائیں۔ ہمیں ’’ڈراپ آوٹ‘‘ کو روکنے کی تدابیر کرنی ہوں گی۔ ہمارا یہ بھی معمول بن گیا ہے کہ اگر 100 بچے پہلی جماعت میں داخل ہوتے ہیں تو میٹرک یا دسویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے دس (10) رہ جاتے ہیں۔ ان پر نگرانی کی ضرورت ہوگی تاکہ ’’ڈراپ آؤٹ‘‘ کا سلسلہ رک جائے۔ ملت کے نادار، کمزور اور محروم طلباء کی مالی مدد کے لیے علاقہ کے مخیرّ اور متمول حضرات کو آگے آنا ہوگا۔ اور کوئی مالی فنڈ قائم کر کے مذکورہ محروم طلباء کی دستگیری ایک عمدہ خدمت ہوگی۔ تعلیم کسی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی ترویج کے لیے چھوٹے سے چھوٹا اخلاقی، مادی اور عملی قدم ملت کے لیے باعث برکت ہوگا۔ ابتدائی تعلیم جو پرائمری سطح سے شروع ہوتا ہے، سے سیکنڈری تک کی بنیاد کو مضبوط بنانا فرزندان قوم کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوسکتا ہے۔ مسلم سماج کے جو باشعور افراد، معیاری تعلیم، اعلیٰ تعلیم اور پروفیشنل اعلیٰ تعلیم کے لیے سرگرم رہتے ہیں انہیں بھی آنند کمار کی طرح منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔ کیونکہ منصوبہ بندی کا پہلا قدم زندگی کو خوش حال، پُرسکون اور ترقی یافتہ بنانے میں نہایت قیمتی ہوتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ایک بار فرمایا تھا: ’’بیشک یہ پہلا قدم ہی بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔‘‘

یہاں یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مسلمان 17 کروڑ کی آبادی یعنی 14% فیصد کے ساتھ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہے۔ مگر سرکاری ملازمتوں میں ان کی نمائندگی کی شرح بہت کم ہے۔ سرکاری ملازمتوں کے علاوہ پرائیویٹ ملازمتوں میں بھی ان کی حصہ داری آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ صحافت، الکٹرانک وپرنٹ میڈیا، انڈسٹری، اڈورٹائزینگ اور پرائیوٹ کمپنیوں کی ملازمت کے لیے خصوصی تعلیم اور ٹرینگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام شعبوں کے لیے فرزندان ملت کو تیار کرنا ہوگا۔ ان کی تعلیمی فلاح کے لیے منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔ ہندوستان 130 کروڑ لوگوں کی آبادی کے ساتھ دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے اتنی بڑی آبادی میں حکومت کے متعدد ادارے جیسے پولیس، صحت، ٹیکس، ورکس، ریلوے، فوج، تعلیم، جہاز رانی کے اداروں میں آفیسران کا انتخاب مسابقاتی اور انٹرویوز کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں۔

ہندوستانی حکومت اُمیدواروں کو بلا لحاظ مذہب، ذات، اور فرقہ کے فرق کے سب کو مساوی مواقع فراہم کرتی ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ ہم سے کوتاہی ہورہی ہے۔ ہم اپنی آبادی اور تعداد کے تناسب سے آنند کمار کی طرح امتحانات اور کوچنگ کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ جس کی بڑی وجہ ہماری غفلت، تعلیم سے عدم دلچسپی اور معلومات کی کمی ہے۔ ضرورت ہے کہ والدین، اساتذہ، علاقہ کے دانشوران اور ماہرین تعلیم توجہ دیں۔ طلباء کو ترغیب دیں اور ان کی رہنمائی کریں۔ قوم کے نونہالوں کی اخلاقی، مادی اور دیگر ضروری رہبری کا کار خیر میں شمار ہوگا۔ قوم کا سر فخر سے بلند ہوگا اور اعلیٰ تعلیم اور پروفیشنل کورسز کے میدانوں میں ان کی نمایاں کارکردگی سے حصہ داری بنے گی۔

تعلیم سے ہماری عدم دلچسپی ہر عام وخواص زبان پر ہے چنانچہ محمد اسحاق اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ سر سید احمد خان کی علی گڑھ تعلیمی تحریک کو تقریبا سو برس گذر گئے لیکن عام تعلیم کا فیصد 25% سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اگر اس حقیقت کو حسابی زبان میں وقت Time اور فاصلہ Distance کے لحاظ سے جانچیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ پچھلے سو برس میں تعلیم کے میدان میں صرف 25 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرسکے ہیں۔ اسی رفتار سے ہم چلتے رہیں تو باقی فاصلے طے کرنے میں ہمیں تین سو برس لگیں گے‘‘۔ ہماری تعلیمی زبوں حالی کا اعتراف مسلم دانش وروں کو ہے لیکن چند کے علاوہ عملی قدم اٹھانے سے اس لیے کتراتے ہیں کہ تعلیمی بیداری اور اس کام کی عملی توسیع دقّت طلب ہے۔ تعلیم کے مد میں جو وقت، مالی صرفہ، اور محنت درکار ہے اس کے نتائج بہت دیر سے ظاہر ہوتے ہیں جو کم از کم دس تا پندرہ برس پر محیط ہوتا ہے جو ہمارے عجلت پسند مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہمارا اور ہماری قوم کا مزاج یہ ہے کہ کام جلد سے جلد ہو۔ شہرت کی منزل ہاتھوں ہاتھ مل جائے اور اپنے ہدف کو راتوں رات پالیں، اور ’’خادم قوم‘‘، ’’معمار قوم‘‘ جیسے القابات ان

کے حصہ میں آ جائیں۔

ہندوستان کے موجودہ حالات اس بات کی متقاضی ہیں کہ مسلمان امت واحدہ ہونے کا ثبوت دیں۔ مسالک، ذاتیں، برادریاں، پیشے اور علاقائی عصبیت سے اُوپر اُٹھ کر قوم کے نونہالوں کے لیے منصوبہ بندی کریں۔ ہندوستان میں ہماری عددی قوت فیصلہ کن ہے۔ افراد امت شادی بیاہ کی قبیح رسومات جیسے مینڈھا، بارات، چوٹی سہرا، چالہ، سہرابندھائی، مائیوں بیٹھنا، ملائی کی رسم، آتش بازی، بینڈ باجہ، ویڈیوگرافی، پٹہ پھیرنا، لاڈ کوتھلی، چوتھی کی رسم، جہیز اور دسیاری وغیرہ پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں مگر تعلیم کی ترویج کے لیے ان کی انگلیاں کانپتی ہیں۔

ہم اکثر و بیشتر گلہ کرتے ہیں کہ پیشے ورانہ کالجوں اور اداروں میں حکومت سے منظور شدہ نشستوں میں مسلم امیدوار نہیں لیے جاتے۔ ہم اپنے آپ سے بھی گلہ کرتے ہیں کہ مسلم طلباء میں مسابقت کا جذبہ نہیں ہوتا۔ ان کا معیار تعلیم پست ہوتا ہے۔ وہ زیادہ محنتی نہیں ہوتے ہیں۔ یہ تمام خدشے اور اندیشے کسی حد تک صحیح ہیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ 50 فیصد پرائمری اور سیکنڈری ایجوکیشن تعلیم کی طرف سے ہماری اپنی کوتاہی بھی ہے جب پرائمری اور سیکنڈری تعلیم کی وسعت محدود ہوگی تو اعلیٰ تعلیم کی ترویج میں کیوں کر اضافہ ہوگا۔ اس لیے والدین، اساتذہ اور سماج کے افراد، نوجوانوں کی عمر کے اس اہم دور کو ضائع نہ کریں۔ اس ضمن میں اساتذہ پر ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ سکندر اعظم سے پوچھا گیا کہ ''وہ کیوں والدین سے زیادہ اپنے استاد کی تکریم و عزت کرتا ہے؟'' سکندر اعظم کا جواب تھا: ''والدین اولاد کو آسمان سے زمین پر لاتے ہیں جبکہ استاد اپنے شاگرد کو زمین کی پستیوں سے آسمان کی بلندیوں پر فائز کرتا ہے''۔

اساتذہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ وسائل کی کمی کا گلہ شکوہ میں وقت ضائع کرنے کے بجائے دستیاب سہولتوں کو بہتر طریقہ سے استعمال کریں اور طلباء کے مستقبل کے لیے جامع منصوبہ بندی کریں۔ اپنی صلاحیتوں اور پیشہ ورانہ مہارتوں کو طلباء پر صرف کریں۔ چین میں ایک مشہور کہاوت ہے جو منصوبہ بندی کی ایک بہترین مثال ہے۔ ''اگر ایک سال کی منصوبہ بندی کرنی ہو تو مکئی اُگاؤ۔ اگر دس سال کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہو تو درخت اُگاؤ اور اگر صدیوں کی منصوبہ بندی کرنا چاہتے ہو تو اپنے عوام کی تربیت کرو۔ انہیں بہترین تعلیم دو''۔ منصوبہ بندی والی تعلیم سے ہی طلباء کی صلاحیتیں ابھریں گی۔ اگر استاد طلباء کے لیے ایک مثالی نمونہ بن جائے۔ وہ طلباء میں تحریک، جوش و ولولہ پیدا کرے اور عمر کے ابتدائی ایام سے ہی بلند حوصلہ، ہمت، بلند نگاہی، جرأت اور امن و محبت کے بیج ڈال کر سماج کے لیے تیار کرے۔ اس کی مناسب آبیاری کرے۔ اسے قانون کا پاسدار، کمزوروں و محروموں کا ہمدرد اور نامناسب حالات میں بھی آگے بڑھنے کا حوصلہ بڑھائے۔ ایسا استاد قوم کا معمار کہلائے گا جیسا کہ آنند کمار اور ابھے آنند کے بارے میں دنیا سمجھتی ہے۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ عام تعلیم، معیاری تعلیم یا اعلیٰ تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ حال و مستقبل کی منصوبہ بندی کی جائے۔ مسلم نوجوانوں میں ذہانت، قابلیت، صلاحیت، آگے بڑھنے کا حوصلہ اور سماج میں کچھ اچھا کر جانے کے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ دور حاضر میں ان کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ سول سروسز، صحافت، الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا، میڈیکل، انجینئرنگ، کمپیوٹر سائنس اور قانون کے شعبوں کے لیے انہیں تیار کرنا ہوگا۔ یہ کام افراد اور اداروں دونوں سطحوں پر کرنا ہوگا۔ مسلم اصحاب خیر کو بھی آگے آکر نوجوانوں کی صلاحیت، کردار، مقصدیت اور میرٹ کی بنیاد پر مالی تعاون دینا ہوگا۔ ان کی سرپرستی کرنی ہوگی۔ ایسے طلبا کے لیے ایسے ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہوگی جہاں حصول تعلیم کی مطلوبہ سہولیات فراہم ہوں۔

آج بعض ملی اسکولوں کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے جنہیں قوم کے بعض سرکردہ حضرات چلاتے ہیں۔ ان اسکولوں کے بانی بلند و بالا دعویٰ کے ساتھ خواندگی کی شرح بڑھانے، طلباء کو اعلیٰ و معیاری تعلیم دلانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس طرح کے شخصی تعلیمی ادارے اپنی طاقت، حیثیت، شہرت اور مقبولیت کا مظاہرہ کرنے میں بے باک ہوتے ہیں۔ اپنے مخالف گروپ کو نیچا دکھانے کے لیے ادارے کھول لیتے ہیں یا اپنی ذاتی شہرت اور اپنا قد اونچا کرنے یا اپنی مالی حالت کے استحکام کے لیے اس میدان میں قدم بڑھاتے ہیں ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ان میں بعض احساس برتری اور رعونت کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسروں کو کمتر اور حقیر سمجھتے ہوئے مسلم قوم سے سماجی روابط توڑ لیتے ہیں۔ مسلم سماج کے کمزور اور بدنصیب افراد کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی حالت بدلنے، ان کا خیر خواہ بننے اور ان کی رہنمائی کرنے کے بجائے طعن و تشنیع سے پیش آتے ہیں۔ ہر وقت ایک ہی کلمہ کی رٹ لگاتے ہیں کہ مسلمان خواندہ بننا نہیں چاہتا۔ اپنی حالت بدلنے اور دوسری قوموں کے شانہ بشانہ چلنے سے کتراتا ہے۔

اس لیے مسلم سماج کے ہر باشعور شخص کی ذمہ داری ہے کہ مسلم نوجوانوں کے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند نہ کرے۔ وقت گذرتا جا رہا ہے۔ خواب دیکھنے کا وقت ختم ہوا۔ عملی اقدام کی ضرورت ہے۔ نئی نسل ہماری احسان مند ہوگی۔ ملک و ملت کی خدمت کا یہ سب سے بہتر طریقہ ہے۔ ان سے بے توجہی ہماری خود غرضی ہوگی۔ ملک و ملت کے نوجوانوں سے بے اعتنائی قومی بغاوت کہی جائے گی۔ کاش ہم مسلمانوں میں آنند کمار کی طرح تعلیمی فلاح کا جذبہ پیدا ہو اور سماج کے محروم، کمزور اور پس ماندہ طبقات کو عام تعلیم، معیاری تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے میدانوں میں آگے لے جانے کی اسپرٹ جاگ جائے۔!!

☆☆☆

عبدالغفور زاہد

قرآن حکیم کا پسندیدہ انسان

ایک دیندار، دیانتدار، مجاہد اور عملی انسان!

قرآن حکیم میں اعلیٰ درجے کے انسان کی تشکیل وتعمیر کا منشور ہے، اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ پانچ ذرائع سے کام لیتا ہے۔

اول: وہ انبیاء ورسل کی داستانِ حیات اور ان کے عزم وثبات اور عظمت و کردار کے واقعات ہمیں اس طور سے سناتا ہے کہ سننے اور پڑھنے والے کو ایک معیار اور ولولہ انگیز مثال ملتی ہے۔

دوم: وہ اوامر ونواہی کا ایک واضح اور یقینی نظام رکھتا ہے۔ اور ہمیں امن کی پابندی کا ایسے موثر انداز میں حکم دیتا ہے کہ ہم اس کو اختیار کرنے میں اپنی سعادت وسرخروئی سمجھتے ہیں۔ اور نواہی سے بچنے کے لیے ہم دل وجان سے کوشش کریں تاکہ آخرت سنور جائے۔

سوم: قرآن حکیم میں جگہ جگہ مومنین اور اللہ کے بندوں کے اوصاف ومحاسن اور اس درجے اثر آفرین پیرائے میں بیان ہوئے ہیں کہ قاری کا دل خود بخود ان کی طرف کھنچتا ہے۔

چہارم: اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر جمیل وجلیل پورے قرآن میں اس طرح جاری وساری ہے کہ صفاتِ خداوندی کا نقش دلوں میں بیٹھتا چلا جاتا ہے۔ اور قرآن حکیم کا پڑھنے والا کچھ شعوری اور کچھ غیر شعوری طریقے پر ان صفات کا اثر قبول کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

پنجم: یہ کہ قرآن حکیم کی مسلسل تلاوت اور اس پر غور وتدبر ایک ایسا روشن اور پُر تاثیر عمل ہے کہ اس کے دائرہ اثر ونفوذ میں آکر انسان کی شخصیت ان خطوط پر پھلنے پھولنے اور نشو وارتقاء کی منزلیں طے کرنے لگتی ہیں جو منشائے خداوندی ہے خداوند کریم نے بندہ مومن کے جو اوصاف بیان کیے ہیں۔ سورہ المومنون میں ارشاد خداوندی ہے۔ ”قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ. الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ. وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ. وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوۡنَ. وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ. اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ. فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ. وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ. وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ. الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ“ (المومنون:۱۱)

”بلاشبہ مومن کامیاب ہوئے جو اپنی نمازوں میں اظہار عجز ونیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں سے (نہیں) کیونکہ ان پر (اسے مباشرت کرنے میں) کوئی ملامت نہیں۔ سو جو اس کے سوا (برائی کا) خواہاں ہو تو ایسے لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ تمام اوصاف جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کے بیان کیے ہیں یہ سہ گونہ ہیں۔ ان میں اخلاقی اوصاف ہیں۔ ان میں معاشرتی اور اجتماعی اوصاف ہیں اور ان میں روحانی اوصاف ہیں۔ قرآن فقط معاشرتی نیکیوں کا قائل نہیں اور نہ فقط ذاتی اور اخلاقی خوبیوں کو وہ کافی سمجھتا ہے۔

اس کے تصور آدمیت سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ فرد کی زیادہ سے زیادہ ترقی اور ارتقاء چاہتا ہے لیکن کسی تنہا فرد کی نہیں۔ وہ فرد کو معاشرے کا نہایت کارآمد اور فیض رساں جزو دیکھنا چاہتا ہے۔ تاہم وہ فرد کی تکمیل کے لیے محض اخلاقی و معاشرتی خوبیوں کو ناکافی سمجھتا ہے۔ ان خوبیوں کی بدولت ایک انسان اچھا خاصا انسان بن سکتا ہے۔ مگر وہ قرآن کا پسندیدہ انسان اور بندہ خدا کہلانے کا مستحق نہیں ٹھہرے گا۔ جب تک کہ اس میں ذہنی اور معاشرتی اور اخلاقی اوصاف کے ساتھ مطلوبہ روحانی اوصاف قوت کے ساتھ موجود نہ ہوں۔ اس بات کو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم انسانی شخصیت کی ہمہ جہت اور جامع نشو ونما کا علمبردار ہے۔ وہ انسانی شخصیت کے بعض پہلوؤں کی زیادہ سے زیادہ ترقی سے جب کہ بعض دوسرے پہلو مکمل یا بہت حد تک نظر انداز ہو جائیں مطمئن نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں مذکور پیغمبر اور رسول عام انسانوں کی طرح گلی کوچوں میں چلتے پھرتے عام انسانوں کی طرح کسی نہ کسی کام یا کاروبار میں مصروف ہیں اور عام انسانوں کی طرح دنیاوی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے والے ہیں۔ یہاں کسی تارک دنیا راہب یا محض اللہ اللہ کرنے والے عابد شب زندہ دار کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں آپ انقلابی کہہ سکتے ہیں۔ ان سب کے لواحقین اور رشتہ دار ہمارے سامنے ہیں۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کے کردار مضبوط، خیالات راسخ اور جن کے اندر دوسروں کی زندگی میں انقلاب لانے کی لگن بے پناہ تھی۔ ہر پیغمبر جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ ایک ایسا انسان ہے جو اپنے ماحول سے غیر مطمئن ہے جو انسانوں کی زندگی میں بہتری اور فلاح کا آرزومند ہے۔ اور اس کے لیے جدوجہد کرتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل وجہاد ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جس ماحول میں (آج سے تقریباً چار ہزار سال

قبل) بابل نینوا میں آنکھ کھولی۔ اس میں انسانیت کی تذلیل دو پہلوؤں سے عام تھی۔ خطے میں آمریت اور بادشاہت کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ اپنی رعایا کا آقا اور مالک تھا۔ وہ ہر کسی کی زندگی اور موت اس کے خیال میں اس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ سیاسی صورتِ حال تھی اور معاشرتی صورتِ حال سیاسی صورتِ حال سے بہتر نہ تھی۔ توہمات کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ پوجے جانے والے خداؤں کے سوا آپ کوئی اور راستہ اختیار نہ کر سکتے تھے اور سوچ اور اس کے اظہار پر مکمل پہرہ تھا۔ اس ماحول میں حضرت ابراہیم نے سوچنے اور اپنی سوچ کے مطابق عمل کرنے کا حق استعمال کرنا چاہا تو موت ان کے سامنے کھڑی تھی۔

ابراہیم علیہ السلام موت سے خائف نہ تھے۔ انہوں نے اپنے پیدائشی حق سے دستبردار ہونے پر موت کو ترجیح دی اور حضرت ابراہیم نے نمرود کا سامنا کیا اور اسے بتایا کہ وہ غلط راستے پر چل رہا ہے وہ خدا نہیں اور نہ خدائی اس کے بس میں ہے۔ نمرود حضرت ابراہیم کی صاف گوئی سے بوکھلا گیا اور اس نے ''باغی'' کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ اس سے قبل حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کے خداؤں کو خدا ماننے سے یکسر انکار کر دیا تھا۔ حضرت ابراہیم کی سوچ انہیں خدائے کائنات تک لے گئی تھی۔ اور اب وہ اس انقلاب آفریں پیغام کو ہر قیمت پر انسانوں میں عام کرنے پر کمربستہ تھے تاکہ لوگ توہمات اور جھوٹے خداؤں کے فریب سے نکل کر عقل و دانش اور حقائق کی روشنی میں آئیں۔ ایک طرف تو ظلمت کی قوتیں تھیں اور نمرود کی خدائی تھی اور انسانوں کی بے بسی تھی۔ دوسری طرف حضرت ابراہیم کا انقلابی پیغام تھا۔ جس میں انسانی حقوق کا تحفظ تھا۔ انسانی شرف کی ضمانت تھی۔ یہ تھے حضرت ابراہیم جن کو قرآن حکیم نے ہمارے لیے یعنی نسل انسان کے لیے ایک نمونہ قرار دیا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار حضرت ابراہیم ایک بے خوف اور بے باک انسان، تو ہم و ظلم کی طاقتوں سے بے دریغ ٹکرا جانے والے قرآن حکیم میں داستان جگہ جگہ بکھری ہے۔ تاہم اس سارے بیان کو یکجا کر کے ترتیب وار دیکھا جائے تو حضرت ابراہیم کی حیات و کردار کے تین دور نہایت نمایاں اور ممتاز ہیں۔

اول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کائنات پر غور و فکر کرنا اور چاند تارے اور سورج کے طلوع و غروب کی مدد سے حقیقت کبریٰ تک پہنچنا۔

دوم: اپنی سوچ پر ڈٹ جانا اور جھوٹ فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے میدان میں اتر آنا اور ظلم کی طاقتوں سے ٹکر لینا، یہ دور بتوں کو توڑنے، قوم کو سمجھانے اور نمرود کا سامنا کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

سوم: عشق الٰہی میں وہ مقام پانا جہاں بیٹے کی قربانی ممکن و قبول ہو جائے۔ از روئے قرآن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت جن اجزاء سے مرکب تھی۔ ان میں جرأت استقامت بے خوفی اور مصائب کا مقابلہ کرنے کا بے پناہ حوصلہ اور راہِ محبت میں بڑی سے بڑی قربانی کو سرخوشی سے پیش کرنے کا ظرف عالی خصوصیت سے نمایاں ہیں۔

قرآن حکیم نے اکثر پیغمبروں کا ذکر بار بار کیا ہے۔ اور موقع محل کے مطابق ان کی زندگی کے مختلف واقعات مختلف مقامات پر بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ایک پیغمبر ایسے ہیں جن کی داستان حیات از اول تا آخر ایک ہی جگہ پورے تسلسل اور انتہائی اثر انگیزی کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور جس سورت میں یہ داستان بیان ہوئی ہے اس کا نام ہی سورہ یوسف ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی بے مثال زندگی اور کردار میں جو اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ان میں صبر، پاکیزگی، عزتِ نفس، علم بصیرت، قابلیت اور عفو درگذر نمایاں ہیں۔ حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف نہایت خوبصورت تھے۔ ایسے خوبصورت کہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے۔ ان کا حسن بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ ایسے میں حضرت یوسف کی جوانی آزمائش کے ترازو پر پوری اترتی ہے۔ قید و بند کی صعوبتیں منظور مگر ناجائز خواہش ناممکن۔ برسوں بعد والی مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی اور قدر و منزلت کا احساس ہوتا ہے تو ان کی جیل سے رہائی کا حکم جاری کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس اقدام سے مطمئن نہیں۔ جیل سے رہائی اتنی ضروری نہیں جس قدر عزتِ نفس کی بحالی اہم ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اصرار ہے کہ رہائی سے قبل الزام دھرنے والی عورتوں سے دوبارہ پوچھا جائے۔ ہر کوئی شرمسار ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کی شہادت دینے کو بے تاب ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: '' وَقَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖ فَلَمَّا جَآءَہُ الرَّسُوۡلُ قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّکَ فَسۡئَلۡہُ مَا بَالُ النِّسۡوَۃِ الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَھُنَّ اِنَّ رَبِّیۡ بِکَیۡدِھِنَّ عَلِیۡمٌ. قَالَ مَا خَطۡبُکُنَّ اِذۡ رَاوَدۡتُّنَّ یُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِہٖ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمۡنَا عَلَیۡہِ مِنۡ سُوۡٓءٍ قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ الۡئٰنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ اَنَا رَاوَدۡتُّہٗ عَنۡ نَّفۡسِہٖ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ''(یوسف:۵۱)

''اور بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ سو جب قاصد ان کے پاس آیا۔ تو یوسف نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا۔ اور پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے۔ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا رب ان کے مکر وحیلہ سے خوب واقف ہے۔ اس نے پوچھا؟ کہ اے عورتو! جب تم نے یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اس وقت کیا پیش آیا۔ وہ کہنے لگیں۔ اللہ کی پناہ! ہمیں اس کی کوئی برائی معلوم نہیں؟ عزیز (مصر) کی عورت نے کہا کہ اب حق بات تو ظاہر ہو ہی گئی (بات یہ ہے) میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔

اور جنہوں نے حسد سے کام لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ جب اناج کی بھیک مانگنے ذی اقتدار یوسف تک پہنچتے ہیں تو انہیں انتقام سے نہیں، مروت، احسان اخوت اور بے پایاں درگذر سے سابقہ پڑتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستانِ حیات قرآن کریم میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ ان کی شخصیت میں جوش و جلال، غیرت، مظلوم پروری اور نصب العین کی خاطر مصائب جھیلنے کا بے پایاں حوصلہ ملتا ہے۔ ''ہر فرعون را موسیٰ'' کی ضرب المثل ان کے کردار کے اسی پہلو کو اجاگر کرتی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں باطل کی قوتوں سے ٹکر لینے اور انہیں پاش پاش کرنے کی ہمت فراواں تھی۔

اس حصہ مضمون کو سمیٹتے ہوئے میں کہوں گا کہ قرآن حکیم نے بڑے بڑے

پیغمبروں کی زندگی کو جس طرح پیش کیا اس سے عیاں ہے کہ ایمان ویقین خدا کی ذات سے محبت، جذبہ عبودیت، صبر وحوصلہ، پاکیزگی، انسانی شرف کی بحالی اور ظلم وفریب کی طاقتوں سے ٹکرانا اور ان کو شکست دے کر انسانی حقوق کو بحال کرنا اور دوسروں کی زندگیوں میں ان اقدار کے فروغ کے لیے انقلاب لانا یہ ہے کہ قرآنی تصور اعلیٰ انسانیت کا جس کی تصدیق حضرت ابراہیم حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ علیہم السلام اورخود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ہوتی ہے۔

قرآنی نظام امرونہی کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی بندۂ خدا شراب نہ پئے گا۔ جوانہیں کھیلے گا، زنانہیں کرے گا اور سچی گواہی دے گا خواہ وہ گواہی اس کے ماں باپ، بہن بھائیوں یا خوداس کے خلاف جاتی ہو۔ تکبر وغرور سے دامن بچائے گا، غریبوں، مسکینوں، غلاموں اور مسافروں کی دل کھول کر مدد کرے گا۔ اگر مال ہے تو زکوۃ دے گا، نماز پڑھے گا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھے گا۔ اپنے پاکیزہ مال سے رفاہ عامہ اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے گا۔ غیبت نہیں کرے گا۔ پاکدامن عورتوں کے بارے میں بہتان نہیں تراشے گا۔ مشکل کے وقت صبر وحوصلہ سے کام لے گا۔ ماں باپ کی عزت وخدمت کرے گا، اورعزیز واقارب کا خیال رکھے گا۔ بیوی سے حسن سلوک سے پیش آئے گا۔ اولاد کی تربیت محبت اور ذمہ داری سے انجام دے گا۔ قول کا سچا ہوگا۔ بات کا پکا ہوگا۔ انصاف پسند ہوگا۔ دشمنوں سے بھی انصاف کرے گا۔ جہاں تک ہوسکے گا نیکی کے فروغ اور برائیوں کے روکنے میں مدد دے گا۔ دوسروں کے ساتھ اچھے کاموں میں تعاون کرے گا۔ برے کاموں میں دوسروں کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ کنجوس ہوگا نہ فضول خرچ ہوگا۔ بلکہ اعتدال کی راہ چلے گا۔ چوری، ڈاکہ، اغوا اور قتل وغارت سے قطعی پرہیز کرے گا۔ ظلم کا بدلہ ظلم کے برابر لے گا۔ تاہم درگذر اور عفو کو بہتر خیال کرے گا۔ سود کا لین دین ہرگز اسے گوارا نہ ہوگا۔ نہ دولت کی محبت میں گرفتار ہوگا۔ حق وباطل کی جنگ چھڑ جائے تو حق کی خاطر ہتھیار اٹھائے گا اور لڑنے مرنے سے بھی جی نہیں چرائے گا۔

مختصر یہ ہے کہ احکام قرآنی کی رو سے ایک مسلمان، خداترس، شریف، فراخ دل، دلیر، ہمدرد، مخلص، دیانتدار، منصف المزاج، حیاپسند، پاکباز، صابر اور عبادت گذار ہوگا۔ اور لالچی بدمعاش، ظالم، فریبی، فاسق وفاجر، بزدل، بے حیا، نمائش پسند، مغرور، بے حس، بے عمل اور بے تعلق بھی نہیں ہوگا۔

اب ہم قرآن حکیم کی چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جن میں پسندیدہ انسان کی صفات سامنے آئی ہیں۔ سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے: ''لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ، وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ، وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ''(بقرہ:۱۷۷)

''یہی نیکی نہیں کہ مشرق ومغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں، اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں کے چھڑانے میں خرچ کریں۔ نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں۔ اور جب عہد کریں تو اسے پورا کریں اور سختی اور تکلیف اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور خدا سے ڈرنے والے ہیں۔''

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن عبادت کے طور طریقوں کو اہمیت ضرورت دیتا ہے مگر اصل اہمیت عبادت کی روح کو حاصل ہے۔ اور نیکی رسموں اور آداب کا نام نہیں بلکہ نیک بن کر ایک پاکیزہ، مفید اور حوصلہ مند زندگی گذارنے کا نام ہے۔ سوسائٹی میں کمزور طبقوں کی مدد کرنا اور اصولوں کی خاطر سختیاں جھیلنا اصل نیکی ہے۔ قرآن کا پسندیدہ انسان محض عبادت گذار اور پابند صوم وصلوۃ ہی نہیں بلکہ عدل و انصاف کی طرف خصوصی قدم اٹھانے والا اور مضبوط دل ودماغ کا انسان ہے۔

سورہ معارج میں ارشاد ہوا۔'' اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ وَالَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّھِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِشَھٰدٰتِھِمْ قَآئِمُوْنَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِکَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ ''(سورہ المعارج:۲۲-۳۵)

مگر وہ لوگ جو نماز پڑھنے والے ہیں۔ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک مقرر حق ہے۔ جو روزِ جزا کو برحق مانتے ہیں۔ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے۔ جس سے کوئی بے خوف ہو۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ بغیر اپنی بیویوں یا اپنی مملوکہ عورتوں کے جن سے محفوظ نہ رکھنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو ان کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں جو اپنی امانتوں کی حفاظت اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔ جو اپنی گواہیوں میں راست بازی پر قائم رہتے ہیں۔ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ لوگ عزت کے ساتھ باغوں میں رہیں گے۔

سورہ فرقان میں ارشاد خداوندی ہے'' وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا. وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا. وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَھَنَّمَ، اِنَّ عَذَابَھَا کَانَ غَرَامًا. اِنَّھَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا. وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا. وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ، وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا''(فرقان:۶۸)

''خدا کے بندے وہ ہیں جو آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں، تو سلام کہتے ہیں۔ اور وہ اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔ اور وہ جو دعاء مانگتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھ کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ اور نہ کم اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جس نفس کا مارڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔''

اور آگے مزید فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا. وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا. اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا. خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا''(فرقان:۷۲-۷۶)

''اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو باوقار گذر جاتے ہیں۔ اور جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں، تو ان پر اندھے اور بہرے بن کر گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں) اور وہ جو دعاء مانگتے ہیں کہ اے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ ان (صفات کے) لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعاء سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت عمدہ جگہ ہے''۔

سورہ فرقان کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ خدا کا پسندیدہ انسان نیک عمل ہونے کے ساتھ ساتھ شائستہ اطوار اور اعلیٰ ذوق کا انسان ہے۔ اسے جاہلوں سے نمٹنا آتا ہے اور بے ہودہ باتوں سے اعراض کرنے کا سلیقہ بھی آتا ہے مگر وہ زندگی کا کوئی خاموش تماشائی نہیں بلکہ معاشرے کا ایک فعال رکن ہے۔ وہ جہاں ناانصافی، ظلم یا محرومی دیکھتا ہے اس کو چیلنج کے طور پر قبول کرتا ہے۔ وہ دوسرے کے حقوق کے لیے لڑتا ہے وہ عدل وانصاف کا علمبردار ہے اور کمزور افراد اور کنبوں کی امداد فرض سمجھ کر انجام دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ''وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ، يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ. وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ، وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ. فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا، وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ''(مائدہ:۸۳-۸۵)

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے۔ ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دے اور وہ کہتے ہیں کہ آخر کیوں نہ اللہ پر ایمان لائیں اور جو حق ہمارے پاس آیا ہے اسے کیوں نہ مان لیں۔ جب کہ ہم اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں میں شامل کرے، ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ نے ان کو ایسی جنتیں عطا کیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور نیک رویہ اختیار کرنے والوں کے لیے یہ انعام ہے۔

سورہ سجدہ میں ارشاد خداوندی ہے: ''اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ. تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا، وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ، جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ''(۱۵-۱۷)

''ہماری آیات پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں۔ جنہیں یہ آیات سنا کر جب نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں۔ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر جیسا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزاء میں ان کے لیے چھپا کر رکھا ہے۔ اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ قرآن حکیم کا پسندیدہ انسان ایک دیندار اور دیانتدار مجاہد ہے۔ جو معاشرے کا سرگرم رکن ہے۔ وہ برائیوں ناانصافیوں کو دور کرنے والا عملی انسان ہے۔ مگر وہ ایک ایسا انسان ہے کہ حق شناسی کے اثر سے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔ اور اس کا دل کانپ کانپ جاتا ہے اور اس کی کمر اپنے رب کے پکارنے کے شوق میں رات رات بھر بستر سے ناآشنا رہتی ہے جوشِ جہاد کے ساتھ دل کا یہ گداز مردِ مومن کی اصل پہچان ہے۔ اس گفتگو کو جو موضوع کی وسعت کے لحاظ سے تشنہ ہے۔ سمیٹتے ہوئے مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کروں گا۔

۱- قرآنی نظام امر ونہی کم سے کم ضروری اوصاف پر زور دیتا ہے جس سے اوسط درجے کا انسان وجود میں آتا ہے۔

۲- مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے قرآن غیر معمولی ذوق وشوق اور قوت وکردار کے انسان کی تصویر ہمارے سامنے لاتا ہے۔

۳- پیغمبروں کی داستانِ حیات کے ذریعہ قرآن حریت پسندوں، مجاہدوں اور انقلابیوں کا تصور عطا کرتا ہے اور اوسط درجے کی بجائے اعلیٰ درجے کے انسان کی تشکیل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۴- ذاتِ باری کی تسبیح وتحمید اور صفاتِ الٰہی کی ہمہ گیری قدرت وقہاری، جبروت وجلال اور رحمت ورافت کی بدولت جو انسانی نقش ابھرتا ہے اس میں عرفان ومعرفت شان وشوکت کے لامحدود امکانات کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العالمين ☆☆

عبدالمنان سلفی شکراوی، اہل حدیث منزل، دہلی

سلفی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی مشکلات کا جائزہ اوران کا حل

آج جو بھی مسلمانوں کے حالات سے بخوبی واقف ہے ،اس کی آنکھیں اشکباراوردل غمگین ہے کیونکہ اس کے سامنے مسلمانوں کی روز بروز گرتی ،بگڑتی صورت حال اور ان کی ذلت ورسوائی کے تسلسل کے ساتھ رونما ہونے والے اندوہناک حالات اور بظاہرتاریک مستقبل ہے۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ

موجودہ حالات میں علامہ ربیع بن ھادی المدخلی حفظہ اللہ (جوموجودہ دور کے بہت ہی بڑے اورمشہورعالم دین ہیں) نے مسلمانوں کو کچھ نصیحتیں کی ہیں جو تمام مسلمانوں کے لیے مشکلات سے نجات کا ذریعہ بن سکتی ہیں:

۱۔دل غمگین ہوتو ہم صرف یہ کہیں: انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔)

۲۔دعا مومن کا ہتھیار ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

اتھزأ بالدعاء وتزدریہ　　وماتدری بماصنع الدعاء

سھام اللیل لاتخطئی ولکن　　لھا أمد وللأمد انقضاء

یعنی تم دعا کا مزاق اڑاتے اوراسے معمولی سمجھتے ہو!تمہیں پتہ نہیں کہ دعا نے کیا کیا کارنامے کردکھائے ہیں۔ رات کے تیر (تہجد گذاری) خطانہیں کرتے۔ تیر کے نشانے پر لگنے میں وقت لگتا ہے،کبھی نہ کبھی وقت تو پورا ہو ہی جائے گا۔

۳۔پریشانیوں کا تعلق اللہ کے قضاء وقدر سے ہے۔جبکہ قضاوقدر پر ایمان دین کے ارکان میں سے ہے،پھر چاہے قضاوقدر میٹھا ہو چاہے کڑوا اس پر راضی برضا رہنا چاہیے۔

۴۔مسلمانوں پر مصائب ومشکلات کا سلسلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جاری ہے۔صحابۂ کرام کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے تکلیفیں دی جاتی تھیں لیکن آپ اللہ کے نبی ہونے کے باوجود صرف اتنا فرماتے: صبر کرو ، جنت میں ملاقات ہوگی۔کیا ان سے بڑھ کر مسلمانوں کے معاملے میں کوئی زیادہ غیرت مند یا ان سے زیادہ مسلمانوں سے کوئی زیادہ محبت کرنے والا یا مسلمانوں کی مدد کرنے کے سلسلے میں کوئی زیادہ بہادر ہے؟

۵۔یہ ذہن نشین رہے کہ عزت اللہ کے لیے ہے،اس کے رسول کے لیے ہے اوراس کے دین کے لیے ہے۔لیکن منافقوں کو خبر نہیں لہٰذا تم رنج نہ کرو۔

۶۔جذبات کو کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں قابو میں رکھو۔کیونکہ جذبات آندھی کی طرح ہیں، اگر انہیں کتاب وسنت کی تعلیمات کی بندشوں میں نہ جکڑا جائے تو وہ بہت ساری خرابیاں پیدا کردیتے ہیں۔

۷۔حادثات کو اپنے ساتھ کھلواڑ نہ کرنے دو کہ وہ تمہارا صاف ستھرا انداز ہی بدل ڈالیں اور کھو کھلے نعروں کے پیچھے لگا دیں۔حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ کے راستے میں سزائیں دی جاتی تھیں یہاں تک کہ ابوجہل نے ان کی شرمگاہ پر نیزہ مارا اوراسے قتل کرڈالا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے صبر کی تلقین ہی کرتے رہے اورفرماتے: تم سے جنت میں ملاقات ہوگی۔

۸۔مسلمانوں کے زخموں کی دہائی دینے والے ہر شخص سے دھوکہ مت کھاجاؤ کیونکہ مصائب ومشکلات کی آڑ میں استحصال کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

۹۔تمہارے اندر کچھ کرسکنے کی طاقت نہیں ہے توزبانی جمع خرچ سے باز رہو جیسا کہ امیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا میں حق بات کہوں اور اللہ کے سلسلے میں کسی بھی لعنت ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کروں تو آپ نے فرمایا تھا: اگرتم کسی حکومت کے مالک ہو تو حق بات کہو اور کسی سے نہ ڈرو ورنہ اپنے کام سے مطلب رکھو۔

۱۰۔صدقہ خیرات کرو،ایک دوسرے کی مدد کرو، بھلائی کی دعوت دو لیکن بغاوت مت کرو، نہ چڑھاؤ، نہ عیب جوئی کرو، نہ رسوا وذلیل کرو بلکہ امیرالمومنین کی نصیحت ''اپنے کام سے مطلب رکھو'' پر عمل کرو۔

۱۱۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے جو فرمایا اسے اچھی طرح یاد رکھو: اس کام میں تمہارا کچھ بھی اختیار نہیں''، تمہیں پتہ بھی ہے کہ اگر غیب کی باتیں تمہیں معلوم ہوجائیں تو صورت حال کس قدر ہولناک ہوجائے گی؟

۱۲۔جان لو کہ دنیا میں محض شر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال، خیر وحکمت سے خالی نہیں ہیں لیکن ہر کام کا وقت مقرر ہے، وقت سے پہلے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۱۳۔جان لو اللہ کی مدد تبھی آئے گی جب سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم پکڑو گے۔صحابۂ کرام صلح حدیبیہ کو اپنے لئے ذلت ورسوائی کا سامان سمجھ رہے تھے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کو لازم پکڑو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا پالنہار ہے وہ ان کی ضرور مدد کرے گا اورانہیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔چنانچہ بعد کے حالات نے یہ واضح کردیا کہ صلح ہی حقیقی مدد ثابت ہوئی اوراللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: **انافتحنا لک فتحا مبینا** کہ ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی ہے۔

۱۴۔دین باقی رہے گا اور سنت کی مدد ہوگی۔تاریخ بتاتی ہے کہ تاتاریوں نے مسلمانوں کے شہروں میں خون کی ہولیاں کھیلیں، وہ لوگوں کو شہر سے نکال باہر کرتے اوراسے پوری طرح جلا کر خاکستر کردیتے۔لیکن اس کے باوجود نہ تو دین اسلام ختم ہوا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لیکن تاتاری برباد ہوگئے۔آغاز وانجام سب اللہ کے دست قدرت میں ہے۔

۱۵۔توحید،حق اور خیر کا سرچشمہ، پہلی سعودی حکومت برباد ہوگئی،اس کے علماء ومشائخ قتل کردئے گئے، کچھ تتر بتر کردئے گئے اور کچھ پابند سلاسل کردئے گئے۔ لوگوں نے اس کی بربادی پر آنسو بہائے ،شاعروں نے مرثیہ خوانی کی لیکن وہ جیسی تھی ویسی ہی دوبارہ وجود میں آگئی۔آج آپ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کررہے

ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اور دیگر اسلامی حکومتوں کی حفاظت فرمائے۔

۱۶۔ضروری نہیں کہ جو معاملہ آپ کی اپنی شرطوں پر استوار ہوگا وہی درست ہو، ہوسکتا ہے وہی سب سے بڑی مصیبت بن جائے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور جلد بازی سے کام نہ لو کہ اس کے نتیجہ میں اپنے گناہ تو اپنے، مسلمانوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ڈھونا پڑے۔یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ انقلاب کو درست سمجھ کر اس کی بات کرتے ہیں وہ ایسی مصیبت کا پیش خیمہ ہو کہ جس کا جھیلنا برداشت سے باہر ہوجائے۔ایسا بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ نتائج دیکھ کر لوگوں نے اپنی بات سے رجوع کرلیا اور اپنے کیے پر شرمندگی وندامت کا اظہار کیا۔

۱۷۔سلف کا یہ معمول تھا کہ فتنوں اور مصیبتوں کے زمانے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''عبادۃ في هرج كهجرۃ الي''(مصیبت میں عبادت کرنا میرے پاس ہجرت کرکے آنے کی طرح ہے) کے پیش نظر کثرت سے عبادت میں منہمک ہوجاتے اور گفتگو کا سلسلہ کم کردیتے تھے۔جبکہ ہمارا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، ہم ایسے موقعوں پر عبادت کم اور باتیں زیادہ کرتے ہیں۔

۱۸۔مصیبت کے وقت نبیوں اور رسولوں پر مصیبتوں کو یاد کرو کہ کس طرح ان کا قتل کیا گیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر تو ایک فاحشہ عورت کو بطور مزدوری ہی پیش کردیا گیا۔اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے سارے فیصلے خیر و بھلائی اور حکمت ودانائی پر مبنی ہوتے ہیں۔اس کے فیصلے کا سامنا نہ کرو اور نہ ہی ناراض ہوؤ بلکہ سمع وطاعت کا رویہ اختیار کرو۔ان مسائل ومشکلات، فتنوں اور آزمائشوں کی انتہا موت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوسکتی جو کہ یقینی طور پر کبھی نہ کبھی تو آنی ہی ہے۔

۱۹۔مایوسی اور ناامیدی کا شکار مت بنو بلکہ اپنے رب کے ساتھ حسن ظن رکھو کہ عام تباہی اور اجتماعی بربادی نہیں ہوگی کیونکہ یہی اللہ کا دستور ہے۔اطمینان رکھو اور خیرو بھلائی کی خوشخبری کی امید رکھو کیونکہ فتنے اور آزمائشیں جلد ہی دور ہوجاتی ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: حَتّٰۤى اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا (یوسف:۱۱۰) (یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہوگئے اور سمجھنے لگے کہ اب تو جھٹلادئے جائیں گے تو ان کے پاس ہماری مدد آن پہونچی) ہمیں دعا کا اہتمام اور اپنے بھائیوں کی مدد کرتے رہنی چاہئے۔

۲۰۔صبر کا دامن تھامے رہو۔معلوم بھی ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل کی مدد ہوئی اور ان کو زمین کا مالک بنا دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ (الاعراف:۱۳۷) ترجمہ:''اور آپ کے رب کا نیک وعدہ، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو درہم برہم کردیا۔''صبر ہی کی بدولت ان کی مدد کی گئی اور اسی کی بدولت فرعون کو ہلاک وبرباد کیا گیا۔

۲۱۔کبھی کبھار نصرت ومدد کا سبب بظاہر ذلت ورسوائی کی شکل میں ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے ساتھ ہوا کہ وہ اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنے دشمن سے بھاگے اور ان کا یہ بھاگنا بادشاہت ونصرت کا سبب بن گیا۔بھاگے تو خوف کھا کر اور مصیبت وپریشانی کے عالم میں تھے جو کہ چند گھنٹے کا مرحلہ تھا لیکن نتیجے میں بادشاہت کی دولت لے کر لوٹے۔اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ہوا کہ بظاہر تو صلح، ذلت ورسوائی کا سامان لگ رہی تھی لیکن نتیجہ فتح مبین کی شکل میں نکلا۔لہٰذا رب کی سمع وطاعت کو لازم پکڑے رہنا چاہیے گرچہ وہ بظاہر ذلت اور خرابی کا سامان محسوس ہو کیونکہ اس میں بڑی بھلائی پنہاں ہوتی ہے۔

۲۲۔ان لوگوں میں سے ہرگز نہ بنو جو مصائب ومشکلات کو مسلم حکمرانوں کے خلاف صرف آگ بھڑکانے کے لیے استعمال کرتے ہیں بلکہ ان سے کہو کہ تمہاری اور ہماری آفت ومصیبت کی وجہ ایک ہی ہے۔

☆☆

اہل حدیث ریلیف فنڈ

سیلاب زدگان کے لیے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی

همدردانه اپیل

کیرالہ میں سیلاب کی وجہ سے لاکھوں افراد اپنا گھربار چھوڑ کر عارضی کیمپوں میں پناہ گزیں ہیں اس کے علاوہ دوسرے بعض صوبے بھی سیلاب سے متاثر ہیں۔جن کی مدد کرنا ہمارا دینی، ملی، وانسانی فریضہ ہے۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی قدیم تاریخی روایت کے مطابق بے گھر اور اجڑے ہوئے افراد کے لیے ریلیف وراحت کا کام کررہی ہے۔

تمام اصحاب خیر اور صاحب ثروت حضرات سے اپیل ہے کہ حسب استطاعت سیلاب زدگان اور انتہائی مصیبت میں پھنسے لوگوں کی اعانت میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اپنی تمام ذیلی شاخوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ خصوصی توجہ فرمائیں۔

نوٹ: چیک اور ڈرافٹ مندرجہ ذیل کے نام ہی بنوائیں۔اور بھیجی ہوئی رقم کی مدات کی وضاحت فرمائیں۔جزاکم اللہ خیرا

Markazi Jamiat Ahle Hadees Hind,

A/c 629201058685, ICICI Bank (Chandni Chowk Branch.RTGS/NEFT IFSC Code-ICICI0006292

اپیل کنندگان: اراکین مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند 4116، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔٦

Ph: 011-23273407, 9810793930, 9810162108

جماعتی خبریں

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی دعوت پر برطانیہ روانہ: مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ اصغر علی امام مہدی سلفی مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی دعوت پر اکتالیسویں سالانہ عظیم الشان انٹرنیشنل اسلامی دعوت کانفرنس بعنوان ''ورفعنا لك ذكرك'' (دہر میں اسم محمد سے اُجالا کردے) میں شرکت کے لئے برطانیہ روانہ ہوگئے۔آپ اس سفر میں مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے اکثر برانچوں میں خطاب فرمائیں گے۔ان شاءاللہ (ادارہ)

اپیل برائے تعاون جامع مسجد اہل حدیث مالیر کوٹلہ پنجاب: پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ میں یہ تاریخی مسجد (جامع مسجد اہل حدیث) ۱۸۵۷ء میں تعمیر ہوئی تھی۔جس کے منبر ومحراب سے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ جیسے اکابر علماء اور باکمال خطباء کے مواعظ حسنہ ہوئے ہیں۔۱۹۱۷ء میں اس مسجد میں ہی ایک مدرسہ قائم کیا گیا جس کا نام مدرسہ اہل حدیث رکھا گیا جو کہ آج بھی قائم ہے۔اب یہ مدرسہ اہل حدیث اسکول کے نام سے چلایا جارہا ہے، جو کہ مسجد سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔پنجاب کا یہ شہر مالیر کوٹلہ ہمیشہ سے سلفیت کا گڑھ رہا ہے۔خالص کتاب وسنت پر قائم اس جماعت میں بسا اوقات کچھ تحریکوں کی طرف سے اختلاف وانتشار پیدا کرنے کی سازشیں اور کوششیں کی گئیں اور بہت بلند علمی، دعوتی، رفاہی، نشریاتی کاموں کے بلند بانگ دعوؤں کے ذریعہ اس جماعت کو ختم کرنے اور پرفریب، مصلحت آمیز اور اخلاق کے نام پر بدلنے کی کوشش کی گئی۔لیکن غیور اہل حدیثوں نے اسے قبول نہیں کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی دوٹوک فیصلہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ مسجد اور مدرسہ اہل حدیث کا ہے اس لیے ہر طرح کے اختیار اور تصرف کا حق صرف اور صرف اہل حدیث کو حاصل ہے۔اور جو اس منہج ومسلک سے سرمنہ منحرف ہیں وہ اس میں کسی بھی طرح کے اثر ونفوذ کے سزاوار نہیں ہوسکتے۔مولانا آزاد رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت کا یہ تاریخی فیصلہ بھی اسی مسجد اور محلے کے سلسلہ میں ہے۔بلاشبہ یہ جامع مسجد عظیم تاریخی یادگار ہے۔

قابل ذکر ہے کہ مسجد کی تعمیر سے لے کر اب تک مسجد کی تعمیر نو نہیں ہوسکی تھی۔البتہ تقریباً پچاس سال پہلے مسجد کے گنبد گرا کر پرانی تعمیر پر ہی نئی چھت ڈال کر اوپر کی منزل میں عورتوں کے لئے ہال کی تعمیر کردی گئی تھی۔اردگرد کا علاقہ اونچا ہوجانے کی وجہ سے مسجد میں بارش کا پانی آنے لگا تھا جو کہ صحن سے گذر کر منبر تک آجاتا تھا دیواریں اور چھتیں بھی خستہ ہوگئی تھیں اس لئے اب مسجد کی تعمیر نو بہت ضروری ہوگئی تھی۔جس کے لئے اب نئی کمیٹی (انتظامیہ کمیٹی جامع مسجد اہل حدیث) کے نام سے رجسٹر کروالی گئی ہے۔اب نئی کمیٹی اس کام کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے فضل سے تیاریاں مکمل کرچکی ہے اور مسجد کی تعمیر نو کا کام چل رہا ہے۔جس پر کل خرچ تقریباً 10008000 (ایک کروڑ آٹھ لاکھ روپے) آئے گا۔انتظامیہ کمیٹی کے پاس اس وقت چھ لاکھ روپے موجود ہیں باقی رقم اہل خیر حضرات سے اکٹھی کی جائے گی، آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اللہ کے گھر کی تعمیر کے لئے زیادہ سے زیادہ امداد فرما کر ثواب حاصل کریں۔آپ تعاون کی رقم بینک اکاؤنٹ میں بھی جمع کرواسکتے ہیں۔اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

چیک ڈرافٹ اس نام سے بنوائیں۔

"Intezamia Committee Jama Masjid Ahle Hadis""

A/c No. 3476002101025656,

IFSC Code PUNB0347600

Mob. 9417503375, 941750502002, 9417442279

(المعلن: انتظامیہ کمیٹی، جامع مسجد اہل حدیث رجسٹرڈ مالیر کوٹلہ پنجاب)

ضرورت رشتہ: جنید عمر 30 سال، تعلیم بی اے، روزگار، ریٹیل عہدہ منیجر کو ایک دیندار تعلیم یافتہ اہل حدیث لڑکی سے بغیر جہیز کے رشتہ مطلوب ہے۔(پتہ: جیت پور، بدرپور، دہلی موبائل: 9136918764, 9971865581, 9810448511)

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کارکن مولوی عبدالباری کو صدمہ: یہ خبر نہایت غم وافسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے کارکن مولوی عبدالباری کی والدہ ماجدہ کا مورخہ ۱۸/ستمبر ۲۰۱۸ء کو دس بجے شب میں طویل علالت کے بعد بعمر ۸۵ سال ان کے آبائی وطن کوشکی پورا، ارریہ بہار میں انتقال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ (باذن اللہ) صوم وصلوۃ کی پابند، کافی ملنسار اور اعلیٰ اخلاق سے متصف تھیں۔پسماندگان میں مولوی عبدالباری کے علاوہ پانچ بیٹے دو بیٹیاں اور شوہر ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس کی مکین بنائے، خطاؤں سے درگزر فرمائے۔پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔آمین

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی، ناظم عمومی مولانا محمد ہارون سنابلی، خازن الحاج وکیل پرویز وجملہ ذمہ داران وکارکنان مولوی عبدالباری کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور ان کی والدہ کی بلندی درجات کے لیے دعا گو ہیں۔احباب جماعت وعامۃ المسلمین سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔(ادارہ)

☆☆☆